رب العالمین کے نام سے شروع

''اُم الیقین''

☆ ☆ ☆

ھدی..... یہ اس کا نام ہے.....

اور اس کی کھلی چھت کی گرے آڈی کار، سگنل کو تقریباً توڑتے ہوئے یونیورسٹی کی طرف جاتے ہوئے اپنی رفتار کو ہوا سے ملا دینے کو ہے۔امریکیوں کو کوئی چیز اتنا غصہ نہیں دلاتی، جتنی تیز رفتار گاڑیاں۔شگاگو کی سڑک پر اس نے کار کو قابو میں رکھتے ہوئے بے قابو ہو جانے دیا۔''گرلز لائیک یو'' کا والیوم تیز کیا۔بیک ویو مرر میں اس نے سگنل پر بریک لگانے والوں کو منہ بناتے، کھڑکی سے سر باہر نکال کر گالیاں دیتے ہوئے دیکھا۔

مرر میں دیکھ کر ہی اس نے انہیں آنکھ ماری۔جیسے وہ اس کی آنکھ ہی تو دیکھ رہے تھے۔زیر لب گالیاں دیتے ہوئے وہ تو اس کی آنکھ پھوڑ دینا چاہتے تھے۔جو ان کے درمیان سے کار کو ایسے نکال کر لے گئی تھی کہ خود بھی مرنے والی تھی اور ان کی گاڑیاں بھی الٹ دینے والی تھی.....

کار کی رفتار بڑھی تو اس کے بلونڈ بال ہوا کے ساتھ اُوپر کی طرف لہرائے۔فٹ پاتھ پر چلتے کتنے ہی لوگوں نے کھلی چھت کی کار میں بیٹھی اس لڑکی کو دیکھنا چاہا تھا۔بہت دُور سے ہی اس کی شبیہہ بتا رہی تھی کہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی ایٹم بم بیٹھا ہوا ہے۔ایسے چھچھورے لوگوں کو جتنی بھی گالیاں دی جانی چاہیے، دیکھ کر دینی چاہیے.....وہ تو بس اسی لیے اسے دیکھنا چاہتے تھے.....

سڑک پر کاروں کو ڈچ کرتے، رفتار بڑھاتے ہوئے، اس نے مرر میں سر کو ذرا سا جھکا کر خود کو دیکھا۔

''واؤ.....کلنگ.....'' اس نے خود پر کمنٹ پاس کیا۔

کار کی رفتار کچھ ایسی اندوہناک ہو چکی تھی کہ فٹ پاتھ پر چلتے بچے کے ہاتھ سے غبارہ چھوٹ گیا، آئسکریم گر گئی.....

''سوری کڈ.....''

وہ بہت آگے نکل آئی تھی، پھر بھی مرر میں دیکھتے ہوئے، ہاتھ لہرا کر بچے سے کہا جو منہ بسور کر آسمان پر اُڑتے غبارے اور زمین پر گری آئسکریم کو دیکھ رہا تھا۔بچپن کے غم چھوٹے اور تکلیف بڑی ہوتی ہیں۔بچے کے فیس کے تاثرات نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

مسکرانے کے لیے اسے بہانوں کی ضرورت نہیں رہتی تھی.....اس کے پاس سب یقین موجود تھے.....

وہ کیسی بھی اسٹوڈنٹ رہی تھی لیکن کانوکیشن تقریب کو پوری اہمیت دینا چاہتی تھی۔ایگزمز کا دریا انہوں نے تیر کر نہیں، جل بھن کر پار کیا تھا۔دنیا میں چار سیزن موجود تھے، تو دنیا والوں کو پانچواں سیزن ''ایگزمز سیزن'' دریافت اور ایجاد کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟سردیوں میں ٹھنڈ لگنے کا ''صرف خطرہ'' رہتا ہے جبکہ ایگزمز سیزن میں موت پڑنے کا امکان عام دنوں سے کہیں زیادہ بڑھ

Sumaira Hameed:Author

جاتا ہے۔چند ایک لائق اسٹوڈنٹس کو چھوڑ کر سب ''فوت نیا'' (موت نمونیا) کا شکار ہو جاتے ہیں۔وہی سیزن جس سیزن میں برے سے برے اسٹوڈنٹ کو منہ لگانا پڑتا ہے کہ کیا پتا وہ ایگزمز میں کسی کام ہی آجائے۔

تو ایگزمز اس نے کیسے بھی دیے تھے، کانوکیشن کی تقریب کے لیے اس نے ایسے تیاری کی تھی جیسے اقوام عالم کے لیڈر کی حیثیت سے کل عالم کے سامنے تقریر کرنی تھی.....

اقوام ناکارہ عالم کی لیڈر.....ھدی.....کی آڈی یونیورسٹی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔اس کی کار سے کچھ اسٹوڈنٹس بس ہلاک ہوتے ہوتے بچے تھے۔انہیں سوری کہتے ہوئے وہ پارکنگ میں کار کو پارک کر چکی تھی۔ڈیش بورڈ سے مرر نکال کر اس نے ہاتھ میں لیا، اور سب سے پہلے اپنے بال سیٹ کیے۔کار سے باہر نکل کر، گلاسز اتار کر لپ کلوز کا ایک کوڈ کیا۔مرر کو کار کی سیٹ پر اچھال دیا۔اس کے موبائل پر اس کی فرینڈز کی کال آرہی تھی۔اس نے کال پک کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

Dior کی پنک فراک کی دونوں پاکٹس میں اس نے اپنے ہاتھ زن کیے۔خود کو، اپنی چال کو، Dior کے ڈریس کے مطابق کوڈ کیا۔ہر لباس کی ایک چال ہوتی ہے۔dior کے ہر ڈریس کی چال ''شاہانہ'' تھی اور وہ ہر چال پر قادر تھی۔فراک کی بیک، وی شیپ میں کمر تک بیک لیس تھی۔اس وی میں بیک نیک نیکلس کی لمبی چین ہلکورے لے رہی تھی۔جس کے آخری کنارے لگا سفید پنڈولم اس کی چال کے ساتھ ساتھ ڈول رہا تھا.....

کمر اور شانوں کو سیدھا رکھ کر، ٹھوڑی اور چہرے کو غیر محسوس خم دیتے ہوئے، ہائی ہیلز میں مقید اپنے پیروں کو اس نے روش کی سمت بڑھا دیا۔

دھوپ میں چمکتا اس کے بالوں کا ملا جلا گہرا سنہرا رنگ.....آنکھوں پر رکھے گلاسز.....تنی ہوئی گردن اور اٹھی ہوئی ٹھوڑی.....وہ حسن اور فیشن کی دنیا میں راج کرنے کے لیے بے تاج بنی تھی.....

ہیل کی ٹک ٹک روش پر سنائی دے رہی تھی.....راستے میں آنا والا ہر اسٹوڈنٹ ترچھی یا ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھنے کی کوشش یا جسارت کر رہا تھا کہ دیکھ بھی لیا جائے اور پکڑا بھی نہ جائے۔وہ اکیلی ہی یونیورسٹی میں خوب صورت لڑکی نہیں تھی، لیکن وہ اکیلی ہی اتنی پاپولر اور فیشن ایبل تھی۔اس کے پاس دولت کی کمی تھی، نہ ہی اس کے استعمال کے طریقوں کی۔ساری یونیورسٹی جانتی تھی کہ وہ اور اس کے گروپ کی ہر لڑکی یونیورسٹی صرف اس لیے آتی ہے تاکہ وہ اپنا آپ دکھا سکے۔ان جیسا ٹرینڈ سیٹنگ فیشن کر کے گھر میں بیٹھنا کون پسند کرے گا؟اس لیے وہ گھر نہیں بیٹھتی تھی، اپنی نمائش کرتی رہتی تھی۔اسے پڑھنے لکھنے یا ڈگری لینے سے کیا مطلب ہو سکتا تھا بھلا۔نہ اسے جاب کرنی تھی نہ اسکالرشپ لینا تھا۔نہ ہی یونیورسٹی ڈین سے شانے پر تھپکی اور ویل ڈین کی سرگوشی..... huh.....ایسا تو مذاق بھی نہیں کیا جانا چاہیے تھا.....

اگر پیسہ زندگی کا مسئلہ تھا تو یہ مسئلہ اس کے والدین حل کر چکے تھے۔اگر زندہ رہنے کے لیے کسی کریئر کا ہونا ضروری ہے تو وہ یہ کریئر بھی حاصل کر چکی تھی۔''انجوائے منٹ کریئر''۔ابھی وہ صرف بائیس سال کی تھی اور اس نے آدھی دنیا کو اپنے آگے لگا لیا تھا، باقی کی دنیا کو

Sumaira Hameed:Author

وہ اپنے پیچھے رکھتی تھی..... جو بچ جاتی تھی اسے جوتی کی نوک پر.....

پھر ان کی زندگیوں کے مقاصد کیا ہو سکتے تھے بھلا؟ ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان بننا؟؟ یہ سب انہیں پتھر کے زمانے کی باتیں لگتی تھیں۔ جب اُڑانے کے لیے پیسہ موجود تھا تو اس پیسے کو ''کمانے'' کی کیا ضرورت تھی۔ زندگی مخمل کی سیج تھی تو اس پر ''مقصد'' کے ٹاٹ کا پیوند لگانے کی کیا ضرورت تھی؟

پاکٹس میں ہاتھ دیے بچ جانے والی دنیا کو ہیل کی نوک سے مسلتے ہوئے وہ چل رہی ہے..... اس کی آئی کانک چال، انداز، اٹھان، نے اسے اتنا نمایاں کر دیا ہے، کہ دنیا کی ہر شے چھپ کر رہ گئی ہے۔ اس ڈریس کا آڈر اس نے سب سے پہلے دیا تھا۔ ال کلونی سے بھی پہلے۔ وہ تو عام دنوں میں ایسے ڈریس پہن کر آتی تھی کہ جب وہ انسٹا اسٹوری شیئر کرتی تھی، تو چند دنوں بعد کوئی نہ کوئی سیلبریٹی اس کی کاپی کرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ ایک بار نیوز پیپر میں آرٹیکل بھی آیا تھا کہ شوبز ایکٹریس انسٹا اسٹار ''ھدی'' کو فالو کر رہی ہیں۔ اور اس کے فیشن ٹرینڈز سے انسپائر ہے۔ آج کی انسٹا اسٹوری تو آگ لگا دینے والی تھی.....

''ہیلو ھدی.....'' اس کا کلاس فیلو لائم اس آگ سے جھلسنے آیا تھا۔ پیچھے سے تو وہ بھاگتا ہوا آیا تھا لیکن اس کے قریب آ کر ایسی نارمل چال چلنے لگا تھا جیسے چلتے چلتے اس پر نظر پڑ گئی، تو سوچا ہائے کہہ دوں۔

ہائے.....'' اس نے پاکٹس میں سے ہاتھ نہیں نکالے تھے۔ سن گلاسز بھی نہیں اتارے تھے۔ مطلب ہائے کر لیا ہے اب آگے دفعہ ہو جاؤ۔ تم اگر تھوڑے بہت ضروری تھے بھی تو صرف ایگزمز تک۔ اب تو تمہارا نام یاد کرنے میں پانچ منٹ لگیں گے، اور پھر بھی چھٹے منٹ میں ''ہو دا ہیل از ہی۔'' ہی نکلے گا۔

''تمہیں بیک سے دیکھا تو ایسا لگا جیسے کیلی جینر جا رہی ہے۔ پھر سوچا اس کا ہماری یونیورسٹی میں کیا کام۔ بلکہ کسی بھی یونیورسٹی میں کیا کام..... ویسے تمہارا بھی اس یونیورسٹی میں کیا کام؟؟ کیا کرتی رہی ہو تم یہاں؟'' وہ آگے دفعہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے، اپنے ذلیل ہونے کے اہتمام کرنے لگا تھا۔

چلتے چلتے وہ ایک دم سے رکی۔ پاکٹ میں سے ایک ہاتھ نکالا اور سن گلاسز اتار لیے۔ ''کیلی جینر..... تم نے مجھے کیلی کہا؟؟'' اس کی دلکش آنکھوں میں تندی سمٹ آئی۔ ''huh..... کیلی.....؟؟ وہ سرجریوں کی دکان..... بیہودہ چوزی..... تمہیں لگا وہ میں ہوں؟؟'' اس کا اتنا اچھا دن، ایسے برے انسان کے منہ لگ کر خراب ہونے والا تھا۔

''اس کا باپ مرغا، ماں مرغی اور وہ خود چوزی ہے؟ اینی وے! اس کی شہرت نے آگ لگا رکھی ہے..... مطلب ہر طرف..... اور پیاری بھی بہت ہے وہ۔'' لائم..... شروع میں وہ تو تھوڑا سا سہم گیا تھا۔

''پیاری؟؟ مائی فٹ..... مجھے گالی دے دینا، کبھی اس سے میچ نہ کرنا۔'' ہونٹوں کو بھینچ کر اس نے خود کو گالی دینے سے روکا۔

''اس مہینے وہ ٹائمز کے کوور پر بھی آئی ہے۔ دنیا کی سب سے کم عمر، امیر ترین بزنس گرل، دی کیلی جینر۔ اتنی سی عمر میں اس نے کتنا کچھ کما لیا ہے۔ تم نے بھی تو اتنی سی عمر میں ''کافی'' کچھ کر لیا ہے۔ مجھے لگا تم اسے پسند کرتی ہو۔ تمہاری حرکتیں بھی اس سے میچ کرتی

Sumaira Hameed:Author

ہیں۔پھر اس کے نام سے چڑ ی کیوں؟؟'' پہلے وہ سہم رہا تھا اب شیر ہو رہا تھا۔

''میں اپنی صحت کا خیال رکھوں یا نہ رکھوں، اپنے ٹیسٹ کا ضرور رکھتی ہوں..... تھوڑا خیال تم بھی رکھو اور مجھے گھورنا بند کر کے سامنے دیکھ کر چلو۔میری ہیل سے الجھ کر گرے تو کچھ کہہ نہیں سکتی کہ ہاسپٹل کے بیڈ سے اٹھو گے، یا مردہ ہو کر تابوت سے.....'' سن گلاسز اس نے واپس اپنی آنکھوں پر لگائے اور چلنے لگی۔

''آں..... گرا دو..... گرا دو..... لیکن کیا ہی اچھا ہو جو دم تمہاری بانہوں میں نکلے۔اوہ! غصہ نہ کرو۔ ذرا یاد کرو میں تمہارا کلاس فیلو ہوں۔پہچانو مجھے.....''

''پہچان لیا ہے..... اپنی طرح کے سنکی اسٹوڈنٹس کے رابن ہڈ ہو تم..... خبیث.....''

''کیا کہا..... رابن ہڈ؟ تم رابن کا نام جانتی ہو؟ واؤ! میں تو تمہیں بالکل ہی جاہل سمجھتا تھا۔یعنی کتاب وغیرہ جیسی چیزیں پڑھ لیتی ہو۔اور آخا خبیث..... تمہارے منہ سے نکلا تو یہ بھی فیشن ایبل، آئی کانک ہو گیا..... کلنگ.....'' اس نے ریپ سنگر کی طرح ہاتھ سے ہوا کو کاٹتے، گھٹنے ٹیڑھے کرتے ہوئے کہا۔

''ذلیل..... کمینے..... خبیث.....'' یہ تینوں ایک ساتھ کیسے لگے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔''سپر آئی کانک؟'' ابرو اُوپر اٹھ چکی تھی۔

وہ قہقہہ لگا رہا تھا۔''سب ٹھیک کہتے ہیں، تم سے بات کر کے مزا آجاتا ہے۔پارٹیز وغیرہ میں سننے سنانے کے لیے دو تین لطیفے ہاتھ آجاتے ہیں۔افسوس یونیورسٹی کے یہ سال اتنی جلدی گزر گئے۔ویسے تم جیسے سپر اسٹار اسٹوڈنٹس نے ہم جیسے سپر کنگال اسٹوڈنٹس کو ڈائریوں میں لکھنے کے لیے اتنا مواد دے دیا ہے کہ اگر ہم ان ڈائریوں کی کتابیں چھپوا لیں تو وہ بیسٹ سیلر ہوں، موویز بنوا لیں تو وہ آسکر وننگ ہوں.....''

''اور اگر تم انہیں اپنے جھوبڑوں پر سجا لو تو عالمی منڈیوں میں تمہاری ''سپر نیلامیاں'' ہوں.....''

''ہاہاہا..... دیکھا، کیسی پیاری باتیں کرتی ہو تم۔تمہیں کیا پتا ہم تمہیں کتنا یاد کرنے والے ہیں۔اگر میرے بس میں ہو تو میں تمہارا ایک عدد مجسمہ بنوا کر اپنے کمرے میں رکھوا لوں۔جب جب بور ہونے لگوں، تب تب تمہارے منہ لگ جایا..... میرا مطلب تمہارے منہ سے کھری کھری سن لیا کروں.....''

چلتے چلتے اسے پھر سے رک جانا پڑا..... لائم زیر لب ہنس دیا۔وہ اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔اسے اور سرخ کرنے کے لیے اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں سے گلاسز اُتار لیے.....

''کافی مہنگی لگتی ہے..... کہاں سے لیں..... اوہ اچھا..... لیں نہیں بلکہ بنوائی ہے..... signature ہے یہ بھی۔''

''تمہیں میں عجیب لگتی ہوں؟؟'' لائم کی ہاتھ بڑھا کر گلاسز اتارنے والی جرات اسے نظر انداز کرنی پڑی۔

''ناں..... لگتی تو مجھے بہت پیاری ہو لیکن لوگ کہتے ہیں کہ تم عجوبہ ہو..... نمونہ..... ڈالرز اور یوروز کا مجسمہ آزاری..... امریکا کو تم پر فخر ہے..... مجھے بھی تم پر فخر ہے میری بچی.....'' اس نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

Sumaira Hameed:Author

''تو اپنی غربت کا بدلہ تم مجھ پر طنز کر کے نکال رہے ہو۔ کیا وجہ ہے کہ سب غریبوں کو غریب ہونے کے فوائد رٹے ہوئے ہوتے ہیں، پھر بھی وہ امیر ہونے کی کوشش کرتے ہیں؟؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔ اب اس نے ہاتھ بڑھا کر لائم کی آنکھوں سے آئی گلاسز اتار لی تھیں۔ حقارت سے اس سستی، گھٹیا سی چیز کو دیکھ رہی تھی۔ غریبوں کی ہر چیز بری ہوتی ہے۔

''کارآمد امیر ہونے اور ناکارہ امیر ہونے میں فرق ہوتا ہے ھدی! اب بل گیٹس کو ہی دیکھ لو.....''

''بل سے نکلے ہوئے چوہے کو دیکھ رہی ہوں۔ کم سے کم آج کے دن تو شرٹ چینج کر لیتے۔ پارٹ ٹائم جابس کر کر کے تمہاری شکل پر بارہ بج چکے ہیں۔ ان بارہ ہندسوں کی پھٹکار تمہارے چہرے سے ہر سیکنڈ، ہر منٹ ٹک ٹک کرتی برس رہی ہے۔ بارہ سال کسی بیوٹی سیلون میں بیٹھے رہے تو بھی شکل سے یہ پھٹکار غائب ہونے والی نہیں ہے.....''

''میں یہ پھٹکار غائب کرنا بھی کیوں چاہوں گا؟ مجھے فخر ہے کہ.....''

''مجھے فخر ہے کہ تم جیسے لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں۔ مجھے ناپسند کرتے ہیں..... مجھ سے چڑتے ہیں..... لیکن پھر بھی تم جیسے لوگ ''مجھ جیسا'' ہی بننا چاہتے ہیں..... کیا میں غلط ہوں؟''

''تم غرق ہو..... خوش فہمی کے سمندر اور غلط فہمی کے چھپڑ میں.....''

''فکر نہ کرو مجھے سوئمنگ آتی..... خوش فہمی کا سمندر اور غلط فہمی کا چھپڑ..... میں تیر کر پار کر لوں گی.....''

''اور پھر خود پسندی کے گٹر میں جا گروں گی؟؟ کیا میں غلط ہوں.....'' اب وہ پوچھ رہا تھا۔

اس کی لمبی گردن کی رگیں تن گئیں۔ غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش میں اس کی سانس کا ردھم ذرا سا تیز ہوا۔ لائم دیکھ سکتا تھا کہ اس نے ڈائنامائٹ کے ریگولیٹر کو چھیڑ دیا ہے۔ اگر یہ ڈائنامائٹ پھٹا تو عالمی جنگ چھڑ جائے گی۔

''تم نے دو سال کے عرصے میں مجھ سے اتنی باتیں نہیں کیں، جتنی ان دو منٹوں میں کر لی ہیں۔ اس دو منٹ کی بات کے لیے تم نے دو سال ریہرسل کی ہوگی۔ آسان نہیں ہوتا مجھ جیسی لڑکی کو اپروچ کر کے بات کرنا۔''

''واقعی آسان تو نہیں تھا، یہی دیکھ لو کہ میرا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا ہے۔ تمہارا کیا ہے، تمہارا گزارا تو اب تک دماغ کے بغیر ہوتا ہی آیا ہے۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ اپنے بچوں کو سنانے کے لیے میرے ہاتھ اچھی کہانیاں لگی ہیں.....''

''اچھا..... مثلاً کیسی کہانیاں.....؟؟''

''میرے پیارے بچوں! تمہارے باپ کی یونیورسٹی میں ایک لڑکی ہوتی تھی۔ ھدی..... میری کلاس بھی فیلو تھی۔ وہ اتنی امیر تھی، اتنی امیر تھی، کہ بدنصیب تھی.....''

''بدنصیب اور میں؟؟ کیسے.....؟؟'' اس کے ڈائنامائٹ کا پارہ اوپر جا رہا تھا۔ مس عالم سے، عالمی جنگ کا خطرہ بڑھ رہا تھا۔

''جسے سب پلیٹ میں سجا سجایا مل جائے، جسے کسی بھی چیز کے لیے کوئی کوشش نہ کرنی پڑے۔ زندگی جس کے لیے اسٹرابیری کیک کی طرح ہو۔ وقت جس کے لیے چاکلیٹ شیک کی طرح ہو۔ جس انسان کا مقصد شاپنگ کرنا، پیسوں کو اجاڑنا، گھومنا پھرنا، فیشن کرنا

Sumaira Hameed:Author

ہو......ایسا انسان بدنصیب نہیں ہو گا تو کیا ہو گا؟؟''

اس نے قہقہہ لگایا۔ لائم کے ہاتھ سے اپنے گلاسز جھٹکے سے واپس لیے اور آنکھوں پر لگائے۔

''مجھے بدنصیب کہنے اور ماننے کے باوجود تم پوری شدت سے یہ خواہش کرتے ہو کہ کاش یہ بدنصیب انسان تم ہوتے۔ کاش میری جگہ تم ہوتے...... یہ اسٹرابیری کیک کھانے کے لیے تمہیں ملتا۔ چاکلیٹ شیک تم پی رہے ہوتے......'' کہہ کر وہ چند سیکنڈز تک اسے دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

''دولت مند ہونا اگر گناہ ہے تو ہر شخص گناہگار ہونا چاہتا ہے۔'' لائم کے آئی گلاسز روش پر پھینک کر جاتے ہوئے وہ یہ جملہ اپنے پیچھے چھوڑ گئی۔

روش پر اس کی ہیل کی ٹک ٹک ''زندگی'' کے شور کو دبا رہی تھی......

حقیقی زندگی، اس کی مجازی زندگی سے بہت پیار کرتی تھی، اسی لیے جلد ہی اسے موت سے روشناس کروانے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ کانوکیشن لان میں آئی تو ادھر ادھر کھڑے تقریباً ہر اسٹوڈنٹ کی گردن ایک سیکنڈ کے لیے اس کی طرف گھوم گئی تھی۔ وہ دیکھے بغیر بھی دیکھ سکتی تھی کہ سب اسے دیکھ رہے ہیں۔ ایک ہی نظر میں وہ اسے پوری طرح سے کھا، پی چکے تھے۔ لڑکیاں ایک ایک چیز کی قیمت کا حساب لگا چکی تھی، اور یہ جان چکی تھیں کہ وہ کتنی مہنگی تھی...... اتنی مہنگی کہ انہوں نے اپنی ساری کمائی، پوری بچت اڑا دی تو بھی وہ اس مہنگائی کو پاٹ نہیں سکیں گی......

دور دور سے گھورنے والوں کو اس نے پاکٹ سے ہاتھ نکال کر، لہرا کر ''ہائے'' کہا۔ ویسے تو وہ صرف منہ دھو کر بھی آجاتی تو بھی وہاں موجود بہت سے لوگوں سے زیادہ خوبصورت لگتی' لیکن چونکہ وہ اچھی طرح سے تیار ہو کر آئی تھی تو بہت سے لوگوں کے دلوں پر بجلی گرا رہی تھی۔ وہ سب لوگ جانتے تھے کہ وہ بس یہ بجلیاں سہنے کے لیے ہی بنے ہیں۔ وہ انہیں گھاس ڈالے گی' نہ دانہ...... جیسے ایما واٹسن کے وال پیپر لیپ ٹاپ کی اسکرین پر لگا لینے سے ایما فون کر کے ڈنر پر انوائیٹ نہیں کرتی' ایسے ہی چپکے چپکے اس کی تصویریں کھینچ کر موبائل میں محفوظ کر لینے پر بھی وہ کسی کو ''شام کی چائے'' پر بلانے والی نہیں تھی۔

وہ مسکرائی اور ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا۔

''دن روشن ہے...... اچھا ہی ہے...... میں بھی تو خوش ہوں......''

اس نے دن پر رائے دی۔ دن کی روشنی سے ہائے ہیلو کیا۔ ''میں بھی تو خوش ہوں'' اس نے ایسے کہا جیسے باقی وقت وہ روتی دھوتی رہتی ہے۔ ایک ایک پینی کے لیے جان توڑ محنت کرتی پھرتی ہے۔ زندگی کے دکھوں کو حوصلے کے پہاڑ سے جھیلتی ہے۔ وہ بے چاری کتنی افسردہ رہتی ہے نا......

کانوکیشن کی تقریب سے پہلے ان فرینڈز کو فوٹو شوٹ کروانا تھا۔ ان کا گروپ اسپائس گرلز کے نام سے مشہور کر دیا گیا تھا۔ اسے اس

Sumaira Hameed:Author

گندے،فرسودہ سے نام سے نفرت تھی لیکن یہ بہر حال کارڈیشن سے بہتر تھا۔اسے کارڈیشن کلون سے ویسی ہی چڑ تھی ،جیسی امریکا کو روس کے خود سے پہلے خلاء میں چلے جانے سے تھی.....

جب وہ فوٹوشوٹ کروا رہی تھیں تو ان کے کلاس فیلوز انہیں ''نا قابل برداشت ہوتم'' کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔وہ یونیورسٹی میں جتنی مشہور تھیں اتنی ہی ناپسند بھی کی جاتی تھیں۔وہ پانی کی طرح پیسہ بہاتی تھیں۔اندھی ہو کر فیشن کی تقلید کرتی تھیں۔ان کے انسٹا گرام کسی بھی ہالی وڈ اسٹار سے زیادہ فالو کیے جا رہے تھے۔ان کے نت نئے فیشن ٹرینڈ کا حصہ بن رہے تھے۔وہ باغی نہیں تھیں،لیکن وہ نارمل بھی نہیں تھیں۔ہر عقل مند'ہوش مند'سمجھ دار اسٹوڈنٹ انہیں دیکھ کر منہ بنالیتا تھا۔وہ سب عقل سے عاری، سمجھ بوجھ سے بہری،کام کی باتوں سے گونگی تھیں۔چلتی پھرتیں فیشن کی دکانیں تھیں۔کبھی کبھی ان کا دل چاہتا تھا کہ پلاسٹک کی ان گڑیوں کے ہاتھ،پیر،گردن،سب الگ الگ کر کے انہیں ڈس بین میں پھینک دیں۔اور اس ڈس بن کا کوڑا،''بہر مردار'' میں پھینکوا دیں۔ہر یونیورسٹی' کالج'اسکول میں ایک ایسا گروپ ضرور ہوتا ہے جس کی حرکتوں سے سارا سسٹم ڈسٹرب رہتا ہے۔وہ گروپ چھچھورا'نالائق'نکما'اور بھونڈا ہوتا ہے.....

ان کا گروپ وہی گروپ تھا۔ھدی اس گروپ کی لیڈر تھی۔وہ عام نہیں تھی۔اسی لیے بہت خاص لائف گزار رہی تھی۔دولت کمانا شاید مشکل ہوتا ہو گا، لیکن اس اجاڑنا بہت آسان ہوتا ہے۔ایک دماغ سے عاری جسم.....ایک حسوں سے عاری بے حسی کا سسٹم.....بس.....سب تباہ.....دولت ہو یا زندگی.....وقت ہو یا مقصد.....

وہ پوز مار مار کر نہیں تھکی تھیں،انہیں پوز مارتے دیکھ کر باقی کے اسٹوڈنٹس تھک گئے تھے۔ان کا فوٹوشوٹ مکمل ہوا تو انہوں نے چند کلاس فیلوز کو بھی اس قابل سمجھا تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک فوٹو لے لیں۔پھر انہوں نے اپنے اپنے کوٹ اور کیپ پہن لیں۔کانوکیشن تقریب شروع ہو چکی تھی۔انہیں ڈگری،تقریروں،ڈین،پروفیسرز،فیوچر کی پلاننگ وغیرہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی بھلا.....وہ جمائیاں لے رہی تھیں۔

''یو آر آ اسٹار آف داڈے.....''

اس نے ایک کلاس فیلو کے ساتھ سیلفی لی تو اس نے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔اسے بھی مسکرانا پڑا۔کوشش کے باوجود اس کی کسی اور کلاس فیلوز سے دوستی نہیں ہو سکی تھی۔وہ بد اخلاق نہیں تھی'لیکن اگر کوئی اپنے پیسے کی اتنی زیادہ نمائش کرتا پھرے گا تو پھر وہ بد اخلاق ہو یا نہ ہو' مغرور ضرور مشہور ہو جائے گا۔اگر عام انسانوں کے قریب ہونا ہے تو ان جیسا ہونا ہو گا.....ان جیسا عام.....دنیا میں عام لوگوں کی تعداد زیادہ ہے،جو واقعی میں خاص ہوتے ہیں وہ دوسروں جیسا عام بن کر رہتے ہیں۔وہ اپنے اندر یہ عظمت پیدا کر لیتی،اگر اسے ضرورت محسوس ہوتی.....اس نے کبھی کسی ٹیچر'پروفیسر سے بدتمیزی نہیں کی تھی'لیکن اس کے فیس پر ''ڈونٹ یو ڈایئر ٹو'' (مجھ چھیڑنے کی جرات نہ کرنا)'' اتنا واضح لکھا ہوا ہوتا تھا کہ وہ خاموش بھی رہتی تھی تو لگتا تھا بدتمیزی کر رہی ہے۔

انہیں ڈگریاں مل گئیں۔ماما پاپا تقریب اٹینڈ کر کے،اسے گلے سے لگا کر جا چکے تھے۔اب وہ سب سیڑھیوں پر اُوپر نیچے کھڑے تھے۔یونیورسٹی کی بلند عمارت ان کی پشت پر تھی۔ان کے سامنے ایک،دو،تین نہیں،پورے تیرہ فوٹو گرافرز اپنے کیمرے اسٹینڈ اسٹکس پر ٹکا

Sumaira Hameed:Author

کر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ ھدی کا ہی کمال تھا کہ اس نے کانوکیشن تقریب کو ''فٹ بال ورلڈ کپ فائنل'' کی شکل دے دی تھی۔ اور شہر کے ٹاپ اور مہنگے فوٹو گرافرز کو کلاس اور پروفیسرز کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا انہوں نے ڈگریاں نہیں لیں، فرانس کو ہرا کر، برازیل کو کک مار کر، فیفا ورلڈ کپ ٹرافی جیت لی ہے۔ فوٹو گرافرز انہیں ہدایات دے رہے تھے۔ ساری کلاس، پروفیسرز سمیت شرافت سے ان کی ہدایات پر عمل کر رہی تھی۔ گلے میں گولڈ میڈل پہنے پروفیسر کے ساتھ کھڑا لائم اس ساری صورتحال پر چھوٹا سا قہقہہ لگائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''ایسے لوگوں کی وجہ سے دنیا میں رونق رہتی ہے ویسے.....'' اس نے اپنے دوست کے کان میں کہا۔ وہ ھدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''خالی خولی رونق؟ نہیں میرے دوست..... تماشے..... ڈرامے..... ہنگامے..... مضحکہ خیزیاں کہو۔ یہ نہ ہوں تو ہم جیسے لوگ پڑھ پڑھ کر سٹھیا جائیں اور ہمیں مسکرانے کے لیے کوئی وجہ نہ ملے.....''

''بائی داوے..... لگتی بہت پیاری ہے یہ.....''

''نظریں پھیر لو میرے دوست۔ فوراً نظریں پھیر لو..... تم اس پر ذرا سا بھی کرش افورڈ نہیں کر سکتے۔ اپنی اوقات سے باہر چیزوں کو خوبصورت نہ کہو، ورنہ تمہاری زندگی خوف صورت جہنم بن جائے گی۔ تم نے اس کے قدموں میں جان بھی دے دی تو بھی یہ تمہیں گھاس نہیں ڈالے گی۔ یہ جو گلے میں گولڈ میڈل پہنا ہے اس کا کچھ خیال کرو، اور ھدی کے خیال کو دل سے اتار پھینکو۔''

لائم نے قہقہہ لگایا۔ وہ دیر تک ہنستا رہا۔ ھدی نے گردن موڑ کر اسے گھور کر دیکھا تو وہ اسے ایک آنکھ مارے بغیر نہیں رہ سکا۔

''یو آر آ اسٹار آف مائی لائف..... مائی چائلڈ.....'' ہونٹوں سے پچکارا بھی۔

اسٹار آف ہز لائف نے نفرت سے نظریں پھیر لیں۔ وہ مزید اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''اسٹینڈ بائی..... میں تھری کہوں تو سب اپنی ٹوپیاں اچھالیں۔ آپ کی مسکراہٹیں نمایاں اور دلکش ہوں.....'' ہیڈ فوٹو گرافر نے انہیں ہدایات دیں۔ وہ وہی سرکس مین لگ رہا تھا، جو چھوٹی سی اسٹک لہرا لہرا کر جانوروں کو ہدایات دیتا ہے۔

''ٹھیک ہے جناب.....'' فرمانبردار بچوں کی طرح، کچھ ھدی کو چڑانے کے لیے، کچھ ماحول سے محظوظ ہوتے ہوئے سب نے ایک ساتھ گردنیں اوپر نیچے کر کے کہا۔ فوٹو گرافر ہنس دیے۔ لائم کا قہقہہ ذرا بلند تھا۔

''ون..... ٹو.....'' ہاتھ اٹھا کر، دو انگلیاں کھڑی کرتے ہوئے فوٹو گرافر نے کہا۔

اور تھری پر ساری کلاس نے 'پوری یونیورسٹی نے..... ساری دنیا نے اپنی ٹوپیاں اچھال دیں..... نیلے آسمان کے نیچے، روشن دن کی آغوش میں..... وہ خود بھی اچھلے..... ھدی نے بھی اپنی ٹوپی اچھالی..... اس کا سر اُوپر اٹھا، نظر آسمان تک گئی..... اور وہ نظر آسمان تک ہی رہ گئی..... خود وہ لہرا کر لڑکھڑائی..... اُوپر سے نیچے گری..... تیسری سے دوسری اور پھر پہلی سیڑھی تک آئی.....

وہ ایسے ایکدم سے گری کہ سب اپنا آپ بھول کر جلدی سے اس کی طرف لپکے۔ جوشیلے نعرے، صدماتی چیخوں میں بدل گئے۔ اس کی کیپ دُور جا گری تھی۔ اس کا سر زمین سے جا ٹکرایا تھا۔ خون کی ایک پتلی لکیر اس کی پیشانی سے نکل کر سفید گال پر نشان

Sumaira Hameed:Author

چھوڑنے لگی تھی۔اس نے آسمان کی چھت کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں.....

یہ آنکھیں کھلیں گی تو وہ جان جائے گی.....جان جائے گی کہ اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا.....نہ دنیا' نہ لوگ' نہ وہ خود اور نہ ہی.....زندگی.....

زندگی کی سانسوں کی تعداد مقرر ہوئی.....زندگی نے ہمیشہ ''ساتھ'' رہنے کا وعدہ عین بہار توڑ دیا.....

ایک بیماری نے سب کچھ بدل دیا.....زندگی نے اس کے پیروں تلے سے مخملی قالین کھینچ لیا.....

☆ ..... ☆ ..... ☆

ابتدائی طبی امداد کے بعد وہ ہوش میں آگئی تھی۔اس نے ساری کلاس کے ساتھ اپنا فوٹو شوٹ مکمل کروالیا تھا۔ٹوپی کو پھر سے اچھال دیا تھا۔فرق تھا تو بس اتنا کہ اس کی پیشانی پر ایک عدد بینڈیج لگی ہوئی تھی۔اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔اپنی ساری خوبصورتی کے ساتھ وہ تھوڑی سی مرجھائی ہوئی نظر آرہی تھی۔اسے ساری کلاس، سارے جہاں کی نظر لگ گئی تھی۔

''کلاس کے مجھ جیسے غریب غربا رابن ہڈ زمل کر تم جیسے شریف لوگوں کو لنچ پر بلا رہے ہیں۔ہمیں شرف ملاقات بخشیں گی؟'' دو دن بعد اسے لائم کی کال آئی تھی۔

اسے ہنسی آگئی، نجانے کیسے۔''ہم سب فرینڈز کو بلا رہے ہو.....؟؟''

''بالکل! میرے دادا کنٹری سائیڈ رہتے ہیں۔قصبے والوں کو کہنا ہے کہ عرصہ ہوا انہوں نے سرکس نہیں دیکھی.....تو.....''

اس نے دانت تو پیسے لیکن فون نہیں پٹخا۔''اپنے دادا کو تم نے کبھی اپنا تماشا نہیں دکھایا؟؟''

''دکھایا تھا، کہنے لگے، بندروں کا تماشا دیکھ دیکھ کر تھک گیا ہوں، اب.....

''خبردار جو تم نے مجھے لومڑی کہا.....'' وہ چلا اٹھی۔

''پر میں تو تمہیں پری کہنے والا تھا.....'' اس نے سنجیدگی سے کہا.....لیکن پھر قہقہہ لگا دیا۔

لائم کے دادا کا قصبہ، قصبے کا جنگل اور جنگل کا ماحول اچھا تھا۔وہ سب مل کر لکڑیوں پر کھانا پکاتے رہے۔لائم نے اس کی مہمان نوازی میں کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی۔''جسٹ فار آ چینج'' وہ اس کے بلانے پر چلی گئی تھی اور اس تبدیلی کو پسند کر رہی تھی۔شام کے سائے پھیل رہے تھے جس وقت وہ گیارہ لوگ جنگل میں دوڑ لگا رہے تھے۔وہ ایسی پیچھے بھی نہیں تھی اور زیادہ آگے بھی نہیں تھی لیکن جب وہ گھاٹی سے گری تو اس کا رول ہوتا جسم آگے نکل جانے والوں سے بھی آگے نکل گیا۔

وہ پھر سے بے ہوش ہو چکی تھی.....

اسے ہوش آیا تو سب اسے فکرمندی سے دیکھ رہے تھے۔اس نے مسکرانے کی کوشش کی.....

''میرا پاؤں پھسل گیا تھا۔'' وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا جسم اف ہو کر آن ہوا ہے۔جیسے جلتے چراغ پر کسی نے پھونک ماردی تھی۔

''نہیں.....تمہارا پاؤں نہیں پھسلا تھا، تم نے اپنا توازن کھو دیا تھا۔تم نے کیا محسوس کیا تھا؟'' لائم نے فکرمندی سے پوچھا۔

Sumaira Hameed:Author

''میرا پاؤں ہی پھسلا تھا.....'' اسے یاد ہی نہیں تھا کہ اس نے کیا محسوس کیا تھا.....اندھیرہ.....بس.....

گھر واپسی پر وہ ڈرائیو وے میں کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے گر گئی تھی۔ ماما لپک کر اس کی طرف آئیں۔ وہ' ماما' پاپا تینوں سال میں دو بار اپنا میڈیکل چیک اپ کرواتے تھے۔ ابھی تین مہینے پہلے اس کا مکمل میڈیکل چیک اپ ہوا تھا۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کے جسم میں کوئی معمولی سی بیماری بھی ہوتی اور اسے معلوم نہ ہوتا۔ ماما نے کہا کہ وہ پھر سے ایک بار چیک اپ کروالے تو اس نے شانے اچکا کر بے زاری سے کہا۔

''میں بورا بورا جا رہی ہوں.....اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتی۔''

''پھر ایک لائٹ چیک اپ کے لیے میرے ساتھ چلو۔ ایک بار ڈاکٹر سے مل لو۔''

''ڈاکٹر سے آپ جا کر مل لیں، میرا ہائے کہہ دیجئے گا.....''

''ھدی.....یہ لاپرواہی ہے.....''

''ماما! یہ بے جا پابندی ہے۔ مجھے نفرت ہے ڈاکٹروں کی شکلوں سے۔ ہنستے بھی ہیں تو ایسا لگتا ہے ہمارا مذاق اُڑا رہے ہیں۔''

''تمہارے فیس پر ایک پمپل بھی نکل آئے تو تم انہی مذاق اڑانے والے ڈاکٹروں کے پاس بھاگتی ہو۔''

''پمپل نکلا تو چلی جاؤں گی.....ڈن.....'' اس نے ماں کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

بورا بورا جانے سے پہلے، گروپ کی فرینڈ کی پارٹی میں، اپنے اپنے گلاس اٹھا کر چیرز کہتے، اس کا دماغ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ وہ لہرائی اور اپنے ہاتھ سے گر کر ٹوٹے گلاس کی کرچیوں پر ڈھیر ہوگئی۔ اس بار اسے فوراً ہوش نہیں آیا تھا۔ اس بار وہ ابتدائی طبی امداد پر اٹھ کر کھڑی نہیں ہوگئی تھی.....

اس بار اسے سولہ گھنٹوں کے بعد ہوش آیا تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہاسپٹل کے بیڈ پر تھی۔ اسے لگا کہ وہ کئی سال سوتی رہی ہے۔ اب جاگی ہے تو کسی اور کے جسم میں جاگی ہے.....اس کے جسم کی زبان بدل چکی تھی.....

ماما پاپا دونوں اس کے بیڈ کے قریب چیئرز گھسیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی ماں کو کبھی رونے کی ضرورت درپیش نہیں رہی تھی' اب کہیں وہ روتی رہی تھی تو بہت عجیب لگ رہی تھی۔ اس کی پہلی نظر ماں پر ہی اٹھی تھی۔ پہلی نظر نے ہی اسے چونکا دیا تھا۔ ماں سے اس اندوہناکی کی وجہ پوچھنے کے لیے اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تھی.....

''ھدی! میری ھدی.....'' اسے ہوش میں آتے دیکھ کر وہ جلدی سے لپک کر اس کے قریب آگئیں۔ سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ یہ انہوں نے کس انداز میں ''میری ھدی'' کہا تھا۔ پاپا کو کھڑا ہونے میں وقت لگا تھا۔ ان کا کپکپاتا ہوا ہاتھ ھدی کے ہاتھ پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ بہت کچھ کہنے کی کیفیت میں، وہ کچھ بول ہی نہیں سکے۔ دونوں کے انداز و اطوار بدلے ہوئے تھے۔ دونوں نے شاید منہ بھی نہیں دھویا تھا۔ وہ کالج' یونیورسٹی کی ایوریج اسٹوڈنٹ رہی تھی۔ اس نے کبھی اچھے مارکس نہیں لیے تھے۔ کتابیں اسے پسند نہیں تھیں۔ ذہانت سے اس کا کچھ لینا دینا نہیں رہا تھا۔ پھر بھی ماں باپ کے انداز نے اس کی ساری حسیں جگا دی

Sumaira Hameed:Author

تھیں..... وہ پوری کی پوری بیدار ہو گئی تھی..... زندگی..... یہ تو ایک جھٹکے میں سب کچھ سیکھا دیتی ہے۔

جو عورت رات کو بھی لپ گلوز لگا کر سوتی تھی، وہ اب بے رنگ ہونٹوں، مرجھائے چہرے، روئی روئی آنکھوں کے ساتھ میک اپ سے عاری کھڑی تھی..... کیوں؟ اس کی آنکھیں ایکدم سے بھر آئیں۔ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے ماں سے بڑی آس سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں نا ماما! مجھے کچھ ہوا تو نہیں؟ برین ٹیومر؟؟ یا..... یا.....؟؟''

کھڑکی سے نظر آتا شام کا آسمان، اندھیرے میں ڈوبنے لگا۔ ماں سسکتی ہوئی کمرے سے باہر بھاگ گئی۔ وہ بیڈ پر بیٹھی، بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی۔ ادھ کھلا دروازہ اس کے چہرے سے زندگی کے رنگ نچوڑنے لگا۔ پاپا نے اس کا ہاتھ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اسے چوما۔ پھر وہ جھک کر اس کی پیشانی چومنے لگے، اس کے گال، اس کا سر..... اس کا چہرہ باپ کے آنسوؤں سے بھیگنے لگا.....

''مجھے برین ٹیومر ہے.....؟؟'' اس نے پاپا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سختی سے دبایا۔

''نہیں.....'' بہت دیر بعد وہ جواب دے پائے۔ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ وہ باپ کی آنکھوں میں بے پناہ محبت اور تکلیف دیکھ رہی تھی..... باپ اس کی آنکھوں میں ''اپنی'' دم توڑتی ہوئی زندگی دیکھ رہا تھا.....

''نہیں.....؟؟'' وہ ایکدم سے ہنس دی۔ ''اوہ پاپا! آپ دونوں نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ اب بس بتا دیں مجھے۔ کیونکہ مجھے برین ٹیومر اور ایڈز سے ڈر لگتا ہے..... بس.....''

''کینسر.....'' پاپا نے ایکدم سے کہہ دیا۔ وہ اس کی طرف سے اپنا رخ پھیر چکے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں رگڑ رہے تھے۔

''کینسر.....'' اس نے زیر لب دہرایا..... ''کون سی اسٹیج ہے؟؟'' اس نے بہت بہادر بنتے ہوئے پوچھا۔ وہ بالکل نارمل تھی۔

اس کے ایسے نارمل لہجے پر وہ ایک دم سے اس کی سمت واپس مڑے۔ وہ جانچ رہے تھے کہ وہ اتنی نارمل کیوں ہے۔ کس لیے؟

''بتائیں نا پاپا! کینسر تو قابل علاج ہے۔ اٹس اوکے یار پاپا! مجھے اس بیماری سے ڈر نہیں لگتا۔ میں اس بیماری کو ہرا دوں گی۔ ڈونٹ وری! ٹرسٹ می..... میں فائٹ بیک کروں گی.....'' اس کی انرجی لوٹ آئی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کا چہرہ ہشاش بشاش ہونے لگا تھا۔

وہ یک ٹک اسے دیکھتے رہے..... آنسوؤں کی زیادتی اس کی صورت کو دھندلا رہی تھی.....

''ایسے رو کر مجھے کمزور نہ کریں۔ بتائیں نا پاپا! کیسا کینسر ہے؟ کون سی اسٹیج ہے؟''

''سا..... سات..... ان کا کہنا ہے کہ بس چھ سات مہینے.....'' وہ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کمرے سے نکل کر روتی، ماں کی آواز، اندر روتے باپ کی آواز سے آ ملی.....

وہ اپنی ہتھیلی پر لگی ڈرپ کی پن سیٹ کر رہی تھی، اور وہ ہاتھ وہیں رک گیا۔ سارا جہاں رک گیا..... وہ کینسر سے نہیں ڈرتی تھی، لیکن اب ایکدم سے زندگی کے ختم ہو جانے نے اسے ڈرا دیا۔ اس نے سر اٹھا کر اپنے باپ کو دیکھا۔ سات مہینوں نے انہیں ستر سال کا بنا دیا تھا۔ اس نے آدھ کھلے دروازے کی طرف پھر سے دیکھا۔ یہاں سے وہاں بھاگ کر ایک ستر سال کی بوڑھی عورت گئی تھی..... اس کی ماں..... وہ پچھلے سولہ گھنٹوں سے اس کی موت کا سوگ مناتے رہے تھے۔ وہ زندہ بیڈ پر پڑی تھی اور وہ اس کی موت پر روتے رہے تھے۔

Sumaira Hameed:Author

زندگی کی ایک گھڑی ہوتی ہے جو ہر انسان کے اندر چھپ کر ٹک ٹک کرتی ہے۔ کچھ کو وہ آواز سنائی دیتی ہے اور کچھ کو اپنا احساس بھی نہیں دلا پاتی۔ اسے ایک لمحے کے لیے اس ٹک ٹک کی آواز سنائی دی..... ایسی ٹک ٹک جو ختم ہونے جا رہی تھی.....

''سات مہینے.....'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔ خون اس کے جسم میں اتنی روانی سے دوڑا کہ اس کا جسم سنسنا اٹھا۔ اسی لیے اس کے جسم نے اپنی زبان بدل لی تھی۔ ایسی زبان جو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''سات مہینے.....'' صرف یہ فقرہ سنائی دے رہا تھا۔

زندگی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں لگتی..... وہ سات مہینوں بعد ختم ہو جائے گی.....

موت جو کہیں سے بھی آتی ہوئی نظر نہیں آتی..... وہ سات مہینوں بعد سامنے کھڑی ملے گی.....

''میں ایک تیز گام ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ میں اپنے خوابوں، منصوبوں، جوشیلے جذبوں اور مقاصد کے ساتھ پوری طرح سے مصروف تھا کہ اچانک کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔''

''آپ کا اسٹیشن آ چکا ہے، برائے مہربانی اتر جائیے.....'' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ٹرین کاٹی سی مجھ سے کہہ رہا تھا۔

''نا..... نہیں..... ابھی میرا اسٹیشن نہیں آ سکتا۔ میری منزل تو ابھی آنی ہے۔'' بے یقینی سے ٹی سی کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے جھٹلانا چاہا۔ (عرفان خان۔ کینسر فائٹر)

زندگی کی ٹرین کسی بھی اسٹیشن پر اُتار سکتی..... زندگی نے ہمیں ہمیشہ اپنا مسافر بنا کر بٹھائے رکھنے کا وعدہ ہی کب کیا تھا بھلا؟

☆ ..... ☆ ..... ☆

سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے لیکن پھر بھی سائنس ''زندگی'' کی زندگی پر قادر نہیں ہے۔ یہ درد سے نجات دے سکتی ہے' مردے کو زندگی نہیں۔ اس دنیا کی ساری ترقی' یہ تو بس سہولت ہے..... آسائش ہے..... دھوکا ہے.....

اس کا بچپن سے لے کر اب تک کا سارا میڈیکل ریکارڈ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ سال میں دو بار چیک اپ کروانے پر بھی اس بیماری نے اپنا پتا نہیں دیا تھا۔ ان کے گھر میں کک کے ساتھ ایک نیوٹرشین تھی' وہ کچے پکے ہر فوڈ کی جانچ پڑتال کرتی تھی۔ وہ ان تینوں کو ان کی عمر، جسمانی ساخت کے مطابق کھانا دیتی تھی۔ وہ صرف اورگینک فوڈ کھاتے تھے جو اورگینک فارم ہاوسز سے سیدھا ان کے گھر آتا تھا۔ انہوں نے صحت کے معاملے میں کبھی کوئی سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔ ماما پاپا دونوں اتنے فٹ اور ینگ تھے کہ وہ اسکول جانے والے بچوں کے ماں باپ تو لگتے تھے لیکن بائیس سال کی لڑکی کے نہیں۔ خود وہ بیوٹی فریک تھی۔ اپنی خوب صورت اسکن کے لیے وہ جنک فوڈ اور مصنوعی ڈرنکس سے دور رہتی تھی۔ جم، اسپورٹس، یوگا، سوئمنگ، جسم کو فٹ رکھنے والی ہر طرح کی ہر ایکٹیویٹی اس کی زندگی کا حصہ رہی تھی۔

پھر..... پھر یہ بیماری اسے کیوں ہوئی..... کیسے ہوئی.....؟؟

اس نے اپنی ٹریٹمنٹ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ماما پاپا کے ساتھ گھر آتے ہوئے' کھڑکی سے باہر کی دنیا کو دیکھتے ہوئے اسے لگا جیسے اب وہ اس دنیا کا حصہ نہیں رہی ہے۔ یہ دنیا سب کی ہے لیکن اس کی نہیں ہے۔ فٹ پاتھ پر پرام لے کر چلتی ماں' دوڑ کر سڑک کراس

Sumaira Hameed:Author

کرتے ٹین ایجرز' ٹیکسی کی بیک سیٹ پر بیٹھی ،مرر میں دیکھ کر لپ اسٹک لگاتی لڑکی۔یہ سب لوگ..... یہ سارا منظر..... یہ کس دنیا کا تھا.....اس کی دنیا کا نہیں تھا.....

سر کو دائیں بائیں گھماتے ہوئے وہ حیرت سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔اپنے گھر کو اس نے باہر کی دنیا سے زیادہ اجنبی پایا۔جس گھر میں وہ بائیس سال رہتی رہی تھی،وہ گھر کہیں کھو گیا تھا۔اب یہ تو کوئی اور ہی جگہ تھی۔ڈرائیوے میں کھڑے ہو کر اس نے اپنے عالیشان گھر کو،اس کی بلندی تک دیکھا.....دور اوپر تک.....سورج کی روشنی شیشے کی دیواروں پر چمک چھوڑ رہی تھی۔کرنوں سے اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھی۔اطراف بچھا سبزا،کتنا بے رنگ تھا.....کیسا عجیب رنگ تھا.....ماما نے اس کا ہاتھ پکڑ کر متوجہ کیا تو اس نے حیران ہو کر اس عورت کو بھی دیکھا۔ساری دنیا کی طرح اسے وہ دونوں بھی خود سے الگ لگے.....اجنبی اور بے رحم.....

اس نے دنیا کی ہر چیز' ہر منظر کو اجنبی پایا.....اس نے اپنے سوا دنیا کی ہر شے کو ضروری اور متحرک پایا۔

''جب مجھے معلوم ہوا کہ مجھے کینسر ہے تو میں نے زندگی سے بڑھ کر کسی شے کو قیمتی نہیں پایا۔اس کے علاوہ میں نے ہر دوسری قیمتی چیز کو بے ہیج اور فضول پایا.....''(علی بنت)

زندگی سے منور آپ کی آنکھ،جو یہ سطر پڑھ رہی ہے،وہ باقی جسم سے بس اتنا کہہ دے۔''اپنی زندگی اور تندرستی کی قدر کیجئے۔''

☆ ..... ☆ ..... ☆

ساری دنیا ایک ہی زبان بول رہی تھی۔دنیا کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر،دنیا کا بڑے سے بڑا ہاسپٹل،میٹنگ کے لیے بٹھایا ڈاکٹرز کا ہر بورڈ،ہر مشین،ہر رپورٹ،سائنس کی ہر کتاب،ہر دوا.....کوئی نو مہینے کی بات کر رہا تھا.....کوئی چار کی.....کوئی پانچ اور کوئی سات کی۔کوئی بھی ''زندگی'' کی بات نہیں کر رہا تھا۔وہ سب سائنس،تھیوری،فیکٹس،کی زبان میں بات کر رہے تھے۔وہ اپنی زبان کیسے بدل لیتے۔وہ آسٹریلیا گئی' پندرہ دن تک ٹیسٹ کرواتی رہی' رزلٹ وہی تھا جو امریکا کے ہاسپٹل کا تھا۔

سارا جہاں ایک جیسا تھا.....ناکارہ' بے کار.....سائنس نے کوئی ترقی نہیں کی تھی۔اس نے بس لوہے کو جہاز بنا کر اڑایا ہے۔مٹی کو اینٹ،اینٹ کو عمارت.....بس.....روشنی کو رفتار کیا ہے۔رفتار کو قابو.....اور سائنس نے کیا ہی کیا ہے۔

اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ جو میک اپ کمپنیوں کو فون کر کے اپنی پسند کے میک اپ شیڈ بنوالیتی تھی تو سب کتنا آسان تھا۔signature بیگ' ڈریسز،کاریں،گھر،حتی کہ جسمانی اعضاء تک پالینا۔دنیا کی ہر چیز ایک فون کال پر اس کے سامنے آجاتی تھی۔کتنا آسان تھا ہر چیز کو اپنے لیے خاص کر لینا۔اس کی کوئی ایک بھی خواہش ایسی نہیں تھی' جس کی تکمیل سائنس نہ کر سکتی ہو۔پھر سائنس.....یہ اس کی زندگی کو موت کے منہ میں جانے سے روک کیوں نہیں پا رہی تھی.....

اس کی فرینڈز اور یونیورسٹی سرکل میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔پیغامات کا ڈھیر لگ گیا تھا۔وہ تینوں فارم ہاوس شفٹ ہو چکے تھے۔فون وہ بند کر چکی تھی۔یہ وہی فون تھا جو ہر وقت' اس کی دس انگلیوں کے درمیان رہا کرتا تھا۔اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا، فون کو خود سے جدا نہیں دیکھا تھا۔اب یہ فون پچھلے پندرہ دنوں سے بند تھا۔انسٹاگرام پر کوئی اسٹوری شیئر نہیں کی گئی تھی۔اس کے کروڑوں

Sumaira Hameed:Author

فینز پریشان تھے کہ وہ کہاں غائب ہے۔لاکھوں لائیکر(لائیک کرنے والے) ہزاروں کمنٹر فکر مند تھے کہ وہ اتنی خاموش کیوں ہے۔مشہور والاگر تک نے اس کی غیر موجودگی کا نوٹس لیا تھا۔ویکلی میگزین میں اس کی گمشدگی کی نیوز آئی تھی۔کچھ فنی میمز بنے، بہت سی افواہیں اُڑیں..... بہت کچھ ہوا.....

ایک لمحہ لگا تھا اور ہر چیز بے معنی ہو گئی تھی۔کروڑوں فینز' لاکھوں کمنٹس' ٹرینڈنگ پوسٹس، اس کی نیوز میکر حرکتیں، ٹرینڈ سیٹنگ فیشن۔ان سب کی حیثیت ایک لمحہ تھی تو اس نے اب تک کی اپنی زندگی ان پر ضائع کیوں کر دی تھی.....ان سب کی قیمت ''کوئی قیمت نہیں'' تھی تو اس نے اپنی زندگی کا قیمتی وقت ''قیمت میں ادا کیوں کیا تھا''؟؟؟

جھیل کے پانی میں پاؤں ڈبو کر بیٹھے وہ پانی میں تیرتے جانوروں کو دیکھ رہی تھی۔اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس جانور کیا کیا نام ہے ۔وہی جانور جو سفید سا ہوتا ہے.....جو خاموشی میں درویش لگتا ہے.....چہکار میں فرشتہ.....اور مستی میں ''محبت'' لگتا ہے۔

''سوان (ہنس).....''اس کے کان میں سرگوشی نہیں ہوئی تھی.....کلام ہوا تھا.....وہ بول رہا تھا.....

''ہر زمانے میں پرندوں نے اپنی علامتیں بدلی ہیں۔محبت.....یہ اس زمانے کی علامت ہے۔محبت جو انسان کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے۔''خود سے محبت۔''اس نے کہا،جس کے الفاظ احساس کی طرح اس کے دل پر اترے تھے۔جیسے ہوا، جو جسم کو چھوتی ہے۔جیسے روشنی جو بس موجود ہوتی ہے۔جیسے فرشتے جو بہت قریب رہتے ہیں اور بغیر لفظوں کے کلام کرتے ہیں۔

اس نے بھی یہی کلام سنا تھا.....بغیر الفاظ کے.....بہت قریب سے.....

☆ ..... ☆ ..... ☆

بیس دن بعد اس نے دنیا بھر کے ڈاکٹرز کا کہنا قبول کر لیا تھا۔اپنی رپورٹس، اپنا کینسر اور مختصر ہو چکی اپنی زندگی۔وہ صدمے کی کیفیت سے نکل آئی تھی۔اس نے مان لیا تھا کہ اس کی زندگی بس اتنی ہی تھی۔بس! یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔وہ اپنی ماں کے پاس آئی اور ان کے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں.....

''میں اپنی مرضی سے وقت گزارنا چاہتی ہوں.....مجھے جانے دیں۔''

''تم جہاں بھی جاؤ گی ہم تمہارے ساتھ جائیں گے.....بس.....اس کے علاوہ کوئی ڈیل نہیں ہو گی۔''

پاپا اس کی بیماری کے بعد سے سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔وہ ایک بھی دن آفس نہیں گئے تھے۔ان کا ملین ڈالرز کا کنسٹرکشن کا بزنس جو ان کی سانس سے بندھا رہا کرتا تھا، اب اکیلا ہی ہچکیاں لے رہا تھا۔

''مجھے مریضوں کی طرح ٹریٹ کرنا بند کر دیں پلیز! مجھے نارمل لائف گزارنے دیں۔میں آپ کو اپنا سایہ نہیں بنا سکتی۔''

پاپا نے ماما کی طرف دیکھا۔کتنا مشکل تھا اسے یہ سمجھانا کہ اس سے زیادہ تکلیف میں تو وہ خود ہیں۔اب وہ کہاں گھوم پھر کر اپنی تکلیف رافع کریں.....کیسے chill کریں.....

''پھر بھی ھدی!''ماما نے لہجے کو نارمل رکھنا چاہا لیکن پتا نہیں کیا بات تھی اب وہ عام بات بھی کرتی تھیں تو لگتا تھا رو دیں گی۔صبح وہ

Sumaira Hameed:Author

کک سے ناشتہ بنانے کے لیے کہتے کہتے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''اب مجھے پتا چلا کہ اصل خوش قسمت کون ہوتا ہے۔'' ناشتے کی میز پر سر رکھ کر وہ ہچکیاں لینے لگیں۔

''مجھے لگتا تھا میں دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہوں۔ اب اپنے سوا مجھے ہر انسان خوش قسمت لگتا ہے۔ جیسے کہ تم..... جیسے کہ گھاس کاٹنے والا..... جیسا کہ فوڈ ڈلیوری والا۔ پٹرول پمپ پر کھڑا لڑکا، نیوز پیپر کے اسٹال پر بیٹھی بوڑھی عورت۔ کاش میں وہ عورت ہوتی جو ہفتے میں بیس بائیس ڈالر کماتی ہے، اچھے گھر اور خوبصورت لباس کے خواب دیکھتی ہے۔ یا جو فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بھیک مانگتی ہے۔ یا وہ جو بستر پر بیمار پڑی ہے، اور اپنی زندگی کے دن گن رہی ہے۔ لیکن جو میری طرح بیٹی کی زندگی کے دنوں کو گننے میں مصروف نہیں ہے۔ میری بیٹی..... میری ھدی..... دنیا کا ہر غم بڑا ہے، لیکن اولاد کا غم سب سے بڑا ہے..... کسی کو یہ غم نہ ملے.....''

وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ان کا اپنا تعلق قطر سے تھا۔ شوہر پاکستانی نژاد امریکن تھے۔ ان دونوں کے خاندان تیس چالیس سالوں سے امریکا میں آباد تھے۔

''میں ہر صورت آپ کے بغیر جانا چاہتی ہوں.....'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ اس کی ضدی طبیعت واپس لوٹ آئی تھی۔

لیونگ روم میں سناٹا تھا..... وہی سناٹا جو ان کی زندگیوں میں سانس کی جگہ لے چکا تھا.....

بورا بورا.....

وہ زندگی کے کچھ سانس یہاں لینا چاہتی تھی.....

اپنے دونوں جوتوں اور ٹریولنگ بیگ کی تصویر اس نے انسٹا پر شیئر کر دی تھی۔ ایک ہی تصویر سے انسٹا پر طوفان آ گیا تھا۔ لیکن اس طوفان نے بھی بورا بورا آئرلینڈ کو ویران ہی رکھا تھا۔ وہ ساحل کنارے سجائے گئے ڈنر ٹیبل پر اپنی فرینڈز کے ساتھ ڈنر کر رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر لکڑیوں کا الاؤ دہک رہا تھا۔ جس کے گرد لڑکے لڑکیوں کا گروپ، مقامی ثقافت کے رنگ میں، اپنے سازوں کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔ یہ سب اہتمام اس کے لیے کیا گیا تھا۔ اس سے کچھ پہلے ساحل کی پٹی پر ''ھدی'' نام کے بڑے بڑے انگلش ہجے آتش گیر مواد سے جلتے رہے تھے..... بورا بورا اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا.....

دور تک پھیلا رات کا سمندر۔ اس میں جھلمل کرتا رات کے آسمان کا چاند..... رقص کرتے لوگ، ترنم سے بجتے ساز.....

دنیا کتنی خوب صورت تھی..... ہر چیز وہی تھی..... ویسی ہی تھی..... پھر بھی..... پھر بھی.....

صبح اس نے بلندی سے پانی میں چھلانگ لگائی۔ شفاف سمندر میں وہ آبی جانور کی طرح دُور نیچے تک چلی گئی۔ سر باہر نکال کر، جب اس نے نیلے شفاف سمندر کو سطح سے دیکھا تو جانا کہ سمندر بھی اس کا نہیں رہا۔ اس کی نظر سمندر کے پانی پر کائی کی طرح جم گئی.....

وہ اگلے ہی دن بورا بورا سے چلی گئی۔ ماں کی دی ہوئی میڈیسن وہ سمندر میں پھینک گئی تھی۔ اس کی فرینڈز نے چپ چاپ اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ بیمار ہے اور ابنارمل بی ہیو کر رہی ہے..... پھر بھی سب صاف ظاہر ہو رہا تھا.....

Sumaira Hameed:Author

وہ fashionista تھی۔ترقی یافتہ دُور کی ترقی یافتہ لڑکی۔اسے لگتا تھا کہ جیسا فلموں میں ہوتا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔وہ مرنے والی ہے'اس کے پاس چھ سات مہینے ہیں'وہ ورلڈ ٹور کرے گی'پہاڑوں پر چڑھے گی'دریاروں اور سمندروں میں نہائے گی' گائے گی، ناچے گی، پوری طرح سے انجوائے کرے گی۔سات مہینوں میں ستر سال کی زندگی جی کر،بستر پر گر کر دم دے دے گی۔اسے لگتا تھا وہ ایسا کر لے گی.....اسے لگا ایسا ہو ہی جائے گا.....لیکن ایسا نہیں ہو رہا تھا.....

کنگ فو پانڈا دیکھتے ہوئے وہ مسکرا نہیں سکی۔آئسکریم سٹی ٹوکیو میں آئسکریم کھاتے ہوئے ،اس میں ایک اور کپ آئسکریم کھانے کی حسرت دم توڑ گئی۔فرینڈز کی نظر بچا کر اپنی آئسکریم ڈس بن میں پھینک دی۔یونیورسل اسٹوڈیو میں ریونج آف دی ممی رائڈ اسے بوگس اور بے کار لگا۔وہ خاموشی سے چیخنے چلانے والوں کو دیکھتی رہی۔وہ سمجھ نہیں سکی کہ ان کے خوف اور جوش کی وجہ کیا ہے۔

زندگی کے فتے پر آگ لگ چکی ہو'تو کسی بات پر ہنسی نہیں آتی۔شہد ہو یا شیرنی، ہر ذائقہ کڑوا لگتا ہے۔دنیا کی کوئی جگہ خوبصورت نہیں لگتی۔اس ساری دنیا کی خوبصورتی ''زندگی'' کے ہونے سے ہے۔اگر زندگی ہی نہیں ہو گی تو دنیا کی رنگینیاں کیا کمال دکھا سکیں گی؟

ایفل ٹاور کی نوک میں کھڑے ہو کر، سیلفی لیتے ہوئے اس نے ایک لمحے کے لیے رُک کر اوپر سے نیچے کی دنیا کی طرف جھانکا۔وہ ابھی چوبیس سال کی نہیں ہوئی تھی، ایفل کی ٹکٹ اسے ہاف دینی پڑی تھی۔تو پھر موت اس کی پوری زندگی کی ٹکٹ کیوں کاٹ رہی تھی۔ایفل اس کی عمر کا لحاظ کر رہا ہے تو موت کیوں نہیں۔اس نے ٹکٹ چیکر کو اپنا پاسپورٹ دکھایا تو اس نے سر ہلا کر اس کی ٹکٹ ہاف چارج کی تھی۔وہ موت کے فرشتے کو اپنی عمر بتائے گی تو کیا وہ سر ہلا کر اس پر سے موت کا چارج اٹھا لے گا؟

نیچے کی دنیا بہت رنگین تھی۔اپنی ہی مستی میں رواں دواں تھی۔دریا سین اسے بیگانہ لگا لیکن حقیقت میں تو وہ چہلیں کر رہا تھا۔نیچے کی دنیا، اوپر کے آسمان کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ بہت دور بلندی پر کھڑی ایک لڑکی یہ جان چکی ہے کہ اس کے پاس زندہ رہنے کے لیے صرف چند مہینے بچے ہیں۔وہ جان چکی ہے کہ دنیا کی ساری خوبصورتی زندگی کے ہونے سے ہے.....ورنہ تو دنیا بہت بدصورت ہے.....دریا سین گدلا ہے.....پیرس منحوس ہے.....اس کی روشنیاں آنکھ کا دھوکا، اس کی رنگینیاں خوابوں کا میل ہیں۔

دو ٹین ایجرز سر سے سر جوڑے سیلفیاں لے رہے تھے، ابھی وہ زندگی کو ایک ہی نام سے جانتے تھے۔''خواب'' ہنی مون پر آئے کپل کے قہقہے ہر آواز میں نمایاں تھے۔اس نے نئی نویلی دلہن کی آنکھوں میں محبت کی پوری چمک دیکھی۔اس کے گال چومتے، اس کے شوہر کے انداز میں دیوانگی.....

اس نے گہرا سانس کھینچ کر منہ پھیر لیا.....ابھی تو اسے محبت کا مزا چکھنا تھا.....ابھی تو.....ابھی تو.....

لالی پاپ کھاتی ایک بچی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔بچی کی ہنسی اس کی ہستی کو انگارہ بنا گئی.....

شانزے لیزے پر چہل قدمی کرتے ہوئے اس نے مسکرانے کی کوشش بھی نہیں کی۔گھٹنوں تک لانگ شوز اور جینز کی پاکٹ میں دونوں ہاتھ.....کھلے بلونڈ بال اور چہرے پر بے نیازی.....کچھ لوگوں نے اسے پہچان کر ہاتھ سے ہائے کا اشارہ کیا تھا لیکن وہ گردن کو اکڑا کر، نومی کیمبل کی طرح شاہراہ کو ریمپ سمجھ کر واک کرتی رہی۔اس کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔چہرہ بھینچا ہوا۔کچھ والگرز ملے، انہوں نے

Sumaira Hameed:Author

اس سے بات کرنی چاہی تو اس نے بے زاری سے ان کے کیمروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں پرے کھسکا دیا۔اس کی فرینڈز اس سے کچھ دُور، پیچھے چل رہی تھیں۔وہ رک رک کر کچھ تصویریں بنا رہی تھیں۔ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ اپنی فرینڈز سے بھی جدا ہوگئی..... چلتے چلتے،وہ ہر شے کو پیچھے چھوڑتی گئی..... ہر شے سے جدا ہوتی گئی..... پیرس سے..... اپنے پیروں تلے کی زمین سے..... کائنات کی ہر شے سے.....

اور اس وقت وہ اتھاہ تنہائی سے جا ملی.....

☆ ..... ☆ ..... ☆

وہ اپنے کمرے سے نکلی تو اس کے سویٹ کے لاونج میں بیٹھیں اس کی فرینڈز نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا ہوا.....''اس نے شانے اچکا کر بے نیازی سے پوچھا۔

''تم نے شو کے لیے ڈریس کوڈ فالو نہیں کیا.....''تینوں فرینڈز نے کچھ بے آرامی محسوس کی۔

وہ ایڑی کے بل ذرا سا گھومی۔''کیا برائی ہے اس میں.....؟؟ میں ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی ہوں۔''

وہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی تھی لیکن وہ فیشن کے سب رولز ملیا میٹ کر چکی تھی۔پرپل تو اس کا کلر ہی نہیں تھا، پھر اس نے پرپل شیفون میکسی پہننے کی غلطی کیوں کی؟ اس پر بلیک ہاف جیکٹ۔ریڈ کاپی کاوچ، بلیو ہیل، اور گرے ہیٹ.....وہ نو میک اپ لک پسند کرتی تھی، لیکن اس وقت وہ میک تھوپے ہوئے تھی۔اس نے شارپ ریڈ لپ اسٹک اپلائی کی تھی۔پرپل شیڈ اس کی آنکھوں کو بوجھل کر رہا تھا.....

''کبھی کبھی مضحکہ خیز بھی لگنا چاہیے.....''

اس نے ہنس کر بے نیازی سے کہہ دیا لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکی کہ وہ خود کو رنگوں میں لپیٹنے سے روک نہیں سکی۔جیسے پرپل اور ریڈ مل کر اس کی بلیک اینڈ وائٹ ہوتی زندگی کو، رنگین بنا دیں گے.....

ریڈ کارپٹ راہداری سے گزرتے ہوئے فرینڈز نے اسے روک کر گروپ سیلفی لینی چاہی تو وہ بے زاری سے اونچی چھت کے اوپیرا ہال کی طرف بڑھ گئی۔ان سے بہت دور نکل آنے پر، چلتے چلتے وہ رک گئی.....لوگوں کی چہل پہل کا شور، جوش، ولولہ انگیز آوازیں، قہقہے، سرگوشیاں.....اپنی ہیل پر گھوم کر اس نے سب کو دیکھا.....سب کو سنا.....

ہر شے بدنما تھی..... ہر آواز کریہہ تھی.....

شو شروع ہوا۔اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس نے سر گھما کر اوپر گیلریوں کی سمت دیکھا۔اگر وہ کچھ ڈھونڈ رہی تھی تو اس تلاش میں ناکام رہی تھی۔بت کی طرح ساکت ہو کر وہ اسٹیج کی طرف گھوم گئی۔کون آیا، کیا گایا، کیا کہا، کیا ایکٹ کیا، کون لڑکی تھی، کون لڑکا تھا، اسے کچھ دکھائی، سنائی نہیں دے رہا تھا۔ہر آواز بھنبھناہٹ تھی۔ہر ادا نقلی تھی..... ہر شے ازراں تھی.....

لیکن.....

جب ہیروئن نے ہیرو کی موت کا ماتم منانا شروع کیا تو بت بن کر بیٹھے اس کے مجسمے پر ایک ضرب پڑی۔اس نے اسٹیج کی طرف

Sumaira Hameed:Author

غور سے دیکھنا شروع کیا..... وہ دیکھ رہی تھی..... وہ سن رہی تھی.....

سامنے اسٹیج پر وہ خود کھڑی تھی..... وہ اپنی ہی موت کا گیت گا رہی تھی.....

اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکل آئے۔ پھر یہ آنسو رکے نہیں..... لگاتار بہتے رہے..... اس نے ٹشو نکالنا چاہا تو اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی شدت نے اس کے ہاتھ سے پاؤچ گرا دیا۔ تھوڑا شور ہوا۔ اس کے پیچھے نشست پر بیٹھے چند لوگوں نے پہلو بدلا۔ اس نے جھک کر لباس کا کونا اٹھایا اور اپنی آنکھوں پر رگڑا..... آنکھ میں لگا گہرا کاجل..... آنکھ پر سجا گہرا شیڈ..... اس کے گالوں پر پانی کے ساتھ کتنی ہی تصویریں بنا گیا۔ ساتھ بیٹھی اس کی فرینڈ نے چونک کر اسے دیکھا۔ باقی دو نے بھی گردن کو جھکا کر اسے دیکھنا چاہا۔

''سورج نیچے آتا ہے تو ستارے اُوپر آجاتے ہیں۔'' (فرنچ مقولہ)

ایکدم سے اس نے اپنے گرد اتنے اندھیرے اکھٹے کر لیے کہ اسے سورج، چاند، ستارے دکھائی دینے بند ہو گئے۔ جھک کر اس نے اپنے پیروں کو جوتوں سے الگ کرنا شروع کیا۔ جسم کے اندر موجود زندگی اپنی سانس کاٹ رہی تھی، تو اسے جسم پر موجود ہر چیز تکلیف دے رہی تھی۔ جوتوں کو ہاتھ میں پکڑ کر وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ایسے اوپیرا شو کے درمیان سے اٹھ کر نہیں جا سکتی تھی۔ یہ بد اخلاقی بھی تھی اور شو کے قوانین کی خلاف عرضی بھی۔ انتظامیہ کا ایک آدمی جلدی سے اس کی طرف آیا لیکن وہ اپنی نشست کی رو میں کافی آگے بڑھ چکی تھی۔ لوگوں کو بے آرام کرتی ہوئی وہ کھسکتی جا رہی تھی۔ سسکتی جا رہی تھی..... اوپیرا ہال کے سکوت نے اس کی سسکیوں کو سنا.....

آگے سے چند لوگوں نے گردنیں موڑ کر اسے دیکھا..... گیلری میں بیٹھے لوگوں نے گردنوں کو ذرا سا جھکا کر نیچے اسے جھانکا..... سب کی نظریں اٹھی رہی گئی..... انتظامیہ کا آدمی اس کی طرف آتے آتے رُک گیا۔ رنگوں کی تہہ میں بھیگ کر بدنما ہوتے اس کے بدصورت گال سب کو دکھائی دے رہے تھے..... وہ قدم آگے نہیں بڑھا سکی..... ایک بوڑھے میاں بیوی کے درمیان پھنس کر کھڑی تھی..... وہ سسک رہی تھی..... ہچکیاں لے رہی تھی..... اس کی سسکیاں ہر سماعت سن سکتی تھی۔ اسٹیج پر کھڑی فنکارہ ایک لمحے کے لیے رکی تھی۔ اوپیرا ہال میں اس کی سسکیاں گنگنا رہی تھیں..... وہ الگ ہی شو پیش کر رہی تھی.....

وہ کیا کر رہی ہے، کہاں کھڑی ہے۔ اس نے ہوش میں آ کر ایک نظر آس پاس دیکھا پھر سر اٹھا کر گیلری میں بیٹھے لوگوں کو۔ اس نے ہر آنکھ کو خود کو دیکھتے پایا..... وہ تیزی سے وہاں سے بھاگ گئی.....

اوپیرا ہال سے باہر..... بلندی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے، ریڈ کارپٹ پر دوڑتے ہوئے۔ اسٹیج پر ہیرو کی جدائی کے راگ الاپتی فنکارہ سے دُور..... سڑک پر نکل کر، دریا سین کی طرف، وہ بھاگتی جا رہی تھی۔ وہ جتنے لوگوں کے قریب سے گزر رہی تھی وہ سب دیکھ سکتے تھے کہ وہ رو رہی ہے..... ہچکیاں لے رہی ہے..... اس کا ہیٹ اُڑ کر گر چکا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے جوتے اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکے تھے۔ وہ ننگے پاؤں سڑک پر بھاگ رہی تھی.....

ابھی تو زندگی شروع ہوئی تھی، وہ ختم کیسے ہو سکتی تھی۔ ابھی تو وہ صرف بائیس سال کی تھی۔ پھر زندگی کی جوان بہاروں پر موت خزاں بن کر کیسے ٹھہر سکتی تھی..... بھاگتے بھاگتے وہ ہانپ کر گھٹنوں کے بل گر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی.....

Sumaira Hameed:Author

☆ ..... ☆ ..... ☆

پیرس سے پاپا اسے پرائیوٹ جیٹ میں لائے تھے۔اس میں دو قدم چلنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی ۔اس کی آنکھیں گڑھے بن گئی تھیں ۔اس کا رنگ جل کر سیاہ ہونے لگا تھا۔اس کا وزن تیزی سے گرنے لگا تھا۔چھتیس گھنٹوں میں اس نے سات کلووزن گرالیا تھا۔اس نے کینسر اور موت کو بیماری بنالیا تھا۔یہ روگ اس پر پوری طرح سے حاوی ہو چکا تھا۔ اس کی فرینڈز پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگ کر اسے پیرس کی سڑکوں پر ڈھونڈتی پھر رہی تھیں ۔جس سڑک پر وہ گر کر بے ہوش ہوئی تھی،وہاں ہجوم لگ چکا تھا۔اس کی فرینڈز اس کے پاس بیٹھیں زاروقطار رو رہی تھیں۔

اس نے ساری زمین کو سر پر اٹھالیا تھا..... پورے آسمان کو خود پر گرالیا تھا.....

جہاز میں لیٹے ہوئے وہ مسلسل کانپ رہی تھی ۔جیسے اسے سرد تو دے سے نکال کر لایا گیا ہو۔اس کی کپکپی دل دہلا رہی تھی۔ ماں نے اس کی حالت دیکھی تو وہ اسے گلے سے لگانے کی بجائے اس سے دور ہٹنے لگیں.....

''یہ..... یہ میری ھدی ہے.....کیا ہوا اسے؟ کیا کیا ہے اس نے اپنے ساتھ.....؟؟''اپنے بڑے گھر میں انہیں رونے کے لیے بہت کونے ملے،لیکن کوئی ایسا کونا نہیں ملا جہاں انہیں تسلی بھی مل سکتی۔

ڈاکٹرز نے اسے ایڈمٹ کرنا چاہا تو وہ چیخنے چلانے لگی۔وہ ہسٹریائی ہو چکی تھی ۔اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ کر کھینچتی تھی۔اسے جہاں جو چیز نظر آئی تھی اس نے اٹھا کر توڑ دی تھیں۔ہر چیز اس کا مذاق اڑا رہی تھی کہ وہ تو موجود رہنے والی ہے لیکن ھدی ختم ہو جانے والی ہے۔اس نے وقت بتانے والی ہر شے ختم کر دی تھی ۔گھڑیاں،وال کلاک،موبائل،کیلنڈر.....وہ کمرے میں اندھیرہ کر کے رکھتی تھی تا کہ دن اور رات میں فرق ختم ہو جاے۔اس کی بھوک پیاس ختم ہو چکی تھی ۔بچا تھا تو بس یہ احساس کہ سب ختم ہو جانے والا ہے.....

دونوں ماں باپ اپنی ہمت ہار چکے تھے۔اس نے منہ تک دھونا چھوڑ دیا تھا۔اس کا وزن اتنا گر چکا تھا کہ اس کی گردن کی ہڈیاں نمایاں ہونے لگی تھیں ۔اس نے علاج سے انکار کر دیا تھا۔اگر مرنا ہی تھا تو اسے علاج کی تکلیف سہہ کر نہیں مرنا تھا۔وہ زہر کھالے گی یا نبض کاٹ لے گی۔ پاپا نے بڑے سے بڑے اسکائٹرسٹ سے رابطہ کیا۔دنیا جہاں کے اسکالرز،ذہین وفطین لوگوں نے آ آ کر اسے دنیا جہاں کی دلیلیں دے کر سمجھانا چاہا۔اسے علاج کے لیے مجبور کرنا چاہا لیکن اس نے دونوں کا بند کر لیے۔دونوں آنکھیں میچ لیں۔وہ زندگی کی طرف کھلنے والے دروازے بند کر کے رونے بیٹھ گئی.....

''تم کم ہمت ہو.....''بوڑھی اسکائٹرسٹ نے مایوسی سے کہا۔

''کیا باہمت ہونے سے مجھے زندگی مل جائے گی؟؟''

وہ گھٹنوں کو کھڑا کیے،کاؤچ پر گم صم بیٹھی تھی ۔اب وہ کئی کئی گھنٹے اسی حالت میں بیٹھ کر گزار دیتی تھی ۔ماما نے ہزار بہانوں سے اسے اس خاتون سے ملنے پر راضی کیا تھا۔وہ دو گھنٹے تک اس کے سامنے بیٹھ کر بولتی رہی تھی.....اور مایوس ہوئی تھیں.....

کمرے کی دہلیز پر کھڑے ماں باپ کے چہرے پھیکے پڑ گئے ۔زندگی ان کے لیے ایسی کڑی آزمائش بن گئی تھی کہ وہ اپنی جان

Sumaira Hameed:Author

دے کر بھی اپنی بیٹی کی جان نہیں بچا سکتے تھے۔فیملی کا ایک فرد تکلیف میں ہو تو سب اس تکلیف کو جھیلتے ہیں۔ماں باپ تو اصل سے کہیں تکلیف سہتے ہیں۔اولاد کو چبھنے والا کانٹا ماں باپ کے دل پر زخم چھوڑتا ہے۔

زندگی ساٹھ ستر سالہ وقت کی میعاد کا نام نہیں ہے..... یہ ہر سانس کو زندگی کرنے کا نام ہے.....

اس نے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔لمس نیا تھا اور خوش کن بھی۔اس کی آنکھ کھلی۔وہ کاؤچ پر ہی سو چکی تھی۔ایک بچی اس کے سرہانے کھڑی تھی۔کمرے کی چھت تک بلند شیشے کی دیواریں صبح کا سورج دکھا رہی تھیں۔سبزے کے قطعات پر کچھ اجنبی پرندے بھٹک رہے تھے.....گھاس سبز تھی.....جو اس سے پہلے کبھی نہیں رہی تھی.....

''ہیلو.....''بچی نے اس کے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ہاتھ میں پکڑا پھولوں کا گلدستہ اس کی طرف اٹھایا۔

''ہائے.....''اسے بچی اور بچی کی مسکراہٹ اچھی لگی۔پھول بھی اجنبی تھے لیکن خوب صورت تھے۔

''کون ہو تم؟ میں نے تمہیں پہچانا نہیں؟''کمرے میں آنے والا وہ پہلا انسان تھا جسے دیکھ کر وہ مسکرا رہی تھی۔پھول آخر کار اس نے تھام لیے تھے۔

''میں؟ میں تو شیلے ہوں۔آپ کے لیے پھول لائی تھی؟''جھک کر اس نے اس کے گال کو چوما۔''بہت دیر سے سو رہی ہیں آپ.....کیوں؟''

'میں سو تو نہیں رہی تھی.....مجھے اب نیند نہیں آتی.....''

''آپ ابھی بھی نیند میں ہی ہیں.....جاگ جائیں گی تو آپ کو اچھا لگے گا۔''

ایک بار پھر گال چوما اور کمرے سے چلی گئی۔پھولوں کو اس نے ڈس بن میں نہیں پھینکا تھا،انہیں میز پر رکھ دیا تھا۔منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وہ باہر آ گئی۔گم صم سے ماما،پاپا لیونگ ایریا میں بیٹھے ہوئے تھے۔ان کے سب کام اب ختم ہو چکے تھے۔

''شیلے کہاں ہے ماما؟؟''وہ آج خود ہی کمرے سے باہر آئی تھی۔دونوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔پاپا فوراً اس کی طرف بڑھے۔اسے اپنے ساتھ لگا کر پیشانی پر پیار کیا۔

''کون شیلے.....؟؟''ماما جلدی سے کچن کی سمت بڑھیں۔آج وہ بھی ناشتہ کرنا چاہتی تھیں۔انہیں بھوک لگ گئی تھی۔

''میرے لیے بھی ناشتہ بنا دو۔بہت بھوک لگی ہے۔''پاپا نے کہا۔ھدی اپنا سر ان کے شانے پر رکھ کر بیٹھ چکی تھی۔

''ابھی جو میرے کمرے میں آئی تھی.....''ہاتھ بڑھا کر اس نے آج کا نیوز پیپر اٹھا لیا تھا۔

فریج کھول کر کھڑی ماں نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔دونوں کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ ھدی سے سوال کریں،یا اس کے سوال کا جواب دیں۔

''آں.....ہاں وہ آئی تھی.....شاید اسے اسکول جانا تھا.....جلدی میں تھی.....''پاپا نے کہا۔

''پر وہ ہے کون؟ اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔آپ کے کسی فرینڈ کی بیٹی.....؟؟''

Sumaira Hameed:Author

ماں باپ دونوں کی نظریں ملیں۔''وہ ہمارے ہمسائے سے آئی تھی.....شاید.....''ماں نے شاید کا لفظ استعمال کرنا ضروری سمجھا۔

جب وہ ناشتہ کر رہی تھی،تو وہ دونوں اپنے لقمے زہر مار کر رہے تھے۔وہ بار بار نظریں چرا کر ھدی کو دیکھ رہے تھے۔وہ ذہنی طور پر اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگی تھی۔کوئی بچی ان کے گھر نہیں آئی تھی۔وہ کسی شیلے کو نہیں جانتے تھے۔

☆ ..... ☆ ..... ☆

لائم اس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔دونوں کی زبان قینچی کی طرح چلا کرتی تھی لیکن اب دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ماما نے اسے لان میں بٹھایا تھا کہ شاید وہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئے۔وہ سب سے ملنے سے صاف انکار کر دیا کرتی تھی لیکن لائم کا نام سن کر وہ ماما کو دیکھ کر رہ گئی۔

''اب تو میں بدنصیب نہیں رہی لائم؟؟''دونوں کے درمیان کافی دیر تک خاموشی رہی تھی۔جو اس نے ایسے توڑی تھی۔اس کی دھنسی ہوئی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔

''آئی ایم سوری ھدی!یقین جانو وہ سب مذاق تھا۔اور تم نے سچ کہا تھا،میں واقعی میں یہ حسرت رکھتا تھا کہ وہ بدنصیب انسان میں ہوتا جو تمہاری جگہ ہوتا۔جو ایسی پر آسائش زندگی گزار رہا ہوتا۔''لائم کی نظر اس نئی ھدی پر ٹھہر نہیں رہی تھی۔اس کے دل میں ٹیس اٹھی تھی

''تو کیا اب بھی تم یہی حسرت رکھتے ہو؟؟میری جگہ آنا چاہو گے؟؟''وہ طنز سے ہنس دی۔

''ہم جگہ ہی تو نہیں بدل سکتے ھدی!اور ہم اپنی سوچ بھی نہیں بدل سکتے۔اگر ایسا کر سکتے تو تمہارے ماں باپ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تمہاری جگہ لے چکے ہوتے۔تمہیں دیکھ کر شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو گا جو یہ حسرت نہیں کرتا ہو گا کہ کاش وہ ھدی کی جگہ ہوتا۔اب تم یہ خواہش کر رہی ہو گی کہ کاش تم میری جگہ ہوتیں۔مجھ جیسی غریب،بد حال،پارٹ ٹائم جابس کرنے والی،ایک ایک پینی کا حساب رکھنے والی،لیکن صحت مند،زندگی کی گارنٹی کی سند رکھنے والی.....کیا ایسا ہی ہے ھدی؟''

''ہاں.....میں دنیا کا کوئی بھی شخص ہوتی لیکن ھدی نہ ہوتی.....''اس نے سچائی کا اعتراف کر لیا۔

لائم نے گہرا سانس لیا۔ھدی کتنا بدل چکی تھی۔اسے تکلیف ہوئی تھی۔

''ہم سب ہمیشہ اپنی جگہ بدلنا چاہتے ہیں۔ہم ہمیشہ کسی دوسرے کی زندگی جینا چاہتے ہیں۔ہمیں جو میسر ہوتا ہے،ہم اس پر راضی ہی نہیں ہوتے.....ہم نے ہم بن کر رہنا سیکھا ہی کب ہے؟''

''مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے.....؟؟''

''کچھ کہنے کے لیے.....کہ تم اپنی جگہ پر ہی رہو۔اس بیماری کی مریضہ کی جگہ.....زندگی کی جنگ لڑنے والی لڑکی کی جگہ.....یقین کرو،یہی تمہاری بہترین جگہ ہے۔دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو زندگی کی چند سانسوں کے لیے تڑپ رہے ہوں گے۔بچے کو جنم دیتی ماں،جو اپنی سانسیں توڑ رہی ہے،اسے چند سانسیں اور چاہیے تا کہ وہ بچے کو دنیا میں لا سکے۔سڑک کنارے حادثے سے دم دیتا تین بچوں کا باپ،وہ اپنے بچوں کو،باپ کے بغیر زندگی گزارنے کے لیے حوصلہ دینا چاہتا ہے.....چند نصیحتیں.....اور سینے سے لگا کر چومنا

Sumaira Hameed:Author

چاہتا ہے۔وہ بس چند سانسیں اور چاہتا ہے۔بستر مرگ پر پڑا بیمار پشیمان جو اپنے پیاروں سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔سرحد پار کرتا سربین بچہ.....وہ تو بس ایک نئی سرزمین کا سورج دیکھنا چاہتا تھا.....

لاکھوں، کروڑوں لوگ اب بھی تمہاری جگہ لینا چاہتے ہوں گے ھدی!ان کے لیے چند مہینے، چند ہفتے چند لمحے، چند سانسیں ہی بہت ہوں گی۔اس لیے ھدی تم اپنی جگہ پر ہی رہو۔میں جانتا ہوں سب کہنا آسان ہوتا ہے اور کرنا مشکل.....میں آسانی سے کہہ رہا ہوں.....تم مشکل سے ہی سہی لیکن اسے آسان کرلو.....''

وہ چپ چاپ لائم کو دیکھ رہی تھی.....

''خدا ہمیں ہمارے ظرف (ہمت، حوصلہ) کے مطابق آزماتا ہے ھدی!اگر یہ آزمائش بڑی ہے تو تمہارا ظرف بھی بڑا ہی ہو گا.....تم نہیں جانتی ہوگی.....یہ جنگ بڑی ہے تو فتح بھی بڑی ہوگی.....تم جانتیں نہیں.....جو جانتا ہے، وہ آزما رہا ہے.....تمہارے اندر چھپی ہوئی طاقتوں کو باہر نکالنے کے سامان کر رہا ہے.....اُسے یہ کرنے دو.....اس کے ساتھ تعاون کرو.....''

لائم چلا گیا.....وہ اسے ایک آخری بار ہاسپٹل جانے پر راضی کر گیا تھا.....

وہ ہاسپٹل آ گئی تھی۔دو گھنٹے کی میٹنگ، دس ڈاکٹروں کا بورڈ، اس کی سب رپورٹس، اور ان کی امید بھری باتیں.....وہ بے نیازی سے اپنے ناخن چباتی رہی تھی۔اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔جب وہ بول بول کر تھک گئے تو اس نے سب کی طرف دیکھ کر سرد مہری سے پوچھا۔

''میں نے سب باتیں سن لیں، سمجھ لیں۔بس ایک سوال کا جواب دے دیں۔کیا میں زندہ رہوں گی؟''

''ہمیشہ تو کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔''ہیڈ ڈاکٹر نے کہا۔

''کیا میں کم سے کم چالیس پچاس سال اور زندہ رہوں گی؟''

''میں چالیس پچاس سکینڈز بعد زندہ ہوں گا یا نہیں یہ میں بھی نہیں جانتا۔''

''میں جانتی ہوں.....آپ چالیس پچاس سال بعد بھی زندہ رہیں گے، کیونکہ آپ اس کرسی پر نہیں بیٹھیں جس پر میں بیٹھی ہوں۔''

وہ کرسی الٹ کر کھڑی ہوگئی۔''میں حقیقت تسلیم کر چکی ہوں۔آپ سب بھی کرلیں اور مجھے بیہودہ خوابوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکانا بند کریں۔میں آپ کو خود کو دھوکا دینے نہیں دوں گی۔''وہ میٹنگ روم سے باہر آ گئی۔وہ واپس پرانے فیز میں چلی گئی تھی۔

اس کی چال میں تندی تھی۔وہ راہداری عبور کر رہی تھی کہ اسے ٹیرس پر کھڑی بچی پر شیلے کے ہونے کا گمان ہوا۔تیز تیز اٹھتے اس کے قدم تھم گئے۔وہ شیلے نہیں ہوسکتی، یہ دیکھنے کے لیے وہ اس کی سمت بڑھ گئی.....

وہ شیلے ہی تھی۔آج بھی اس کے ہاتھ میں پھول تھے۔

''شیلے.....تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''سر کو اس کی سمت جھکا کر کہا۔پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیے۔

جواب دینے کی بجائے اس نے پھول اس کی سمت بڑھا دیئے۔''آپ کا انتظار کر رہی تھی۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں آئی ہوں؟''اس نے اس کے گالوں پر پیار کیا۔

Sumaira Hameed:Author

ہنس کر اس نے اپنا رخ آسمان کی سمت پھیر لیا اور ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔''مجھے آسمان بہت پسند ہے۔اور آپ کو؟''

''مجھے.....؟؟ مجھے اب کچھ بھی پسند نہیں رہا.....''

شیلے نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنے ہاتھ کی طرح آسمان کی سمت بلند کر دیا۔

''جو زمین پر نہیں ہو سکتا.....وہ آسمان سے ہوتا ہے.....ضرور ہوتا ہے.....اسی لیے مجھے آسمان پسند ہے.....''

اس کا جسم مجسمہ ہوا.....اس نے ایک نظر آسمان اور ایک نظر شیلے کو دیکھا.....

''رونا اچھا ہوتا ہے لیکن یہ طے کر لیں کہ رونے کے بعد ہنسنا بھی ہو گا۔'' اپنے ننھے ہاتھوں سے وہ اس کے بھیگے گال صاف کرنے لگی۔

وہ ایکدم سے ہنس دی۔

شیلے کے دیے پھول کمرے میں میز پر رکھے تھے.....ان پھولوں پر آسمان کا سایہ پڑ رہا تھا.....

☆ ..... ☆ ..... ☆

شیلے کے دیے پھول کمرے میں میز پر رکھے ہیں.....ان پھولوں پر آسمان کے چراغ کا سایہ پڑ رہا ہے.....

صبح اٹھتے ہی وہ شیلے سے ملنے کے لیے ہاسپٹل جانے کی تیاری کرنے لگی تھی۔اس نے ماما پاپا کے ساتھ ناشتہ بھی کیا تھا۔باپ کے گال پر پیار کر کے، انہیں آفس جانے کے لیے کہا تھا۔اپنے لباس پر توجہ دی تھی۔اچھی طرح سے منہ دھو کر، ماما کی ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر لپ گلوز لگایا اور پرفیوم سپرے کیا تھا۔وہ شیلے سے اچھی حالت میں ملنا چاہتی تھی۔راستے میں اس نے اس کے لیے پھول اور چاکلیٹس لیں۔ایک چھوٹا سا بیئر بھی لے لیا تھا۔

''مجھے شیلے سے ملنا ہے۔وہ یہاں کسی وارڈ میں ایڈمٹ ہے.....'' کمپیوٹر پر شیلے کا نام ٹائپ کرتے، ریسپشنسٹ کے ہاتھ رُک گئے۔جیسے اسے ایکدم سے کچھ یاد آیا تھا۔اس نے سر اٹھا کر ھدی کو دیکھا۔اسے کمپوز ہونے میں کچھ وقت لگا۔

''شیلے؟؟ نو، دس سال کی بچی؟؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔کنفرم کر رہی تھی۔

اس نے سر ہلا دیا.....

''میرے ساتھ آئیں.....'' وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔وہ سنیئر ڈاکٹر کے آفس کی طرف جا رہی تھی۔

''شیلے تمہیں کہاں ملی تھی ھدی! اور کب.....؟؟'' لیڈی ڈاکٹر ریسپشنسٹ کی نسبت کم حیران ہوئی تھیں۔

ھدی نے چیئر پر بے چینی سے پہلو بدلا۔اسے کچھ عجیب لگ رہا تھا۔

''پہلی بار وہ مجھے گھر ملنے آئی تھی۔پھر وہ مجھے اس ہاسپٹل کے کوریڈور میں ملی تھی۔اس نے بتایا وہ بھی بیمار ہے۔یہیں ایڈمٹ ہے۔وہ ٹھیک تو ہے ڈاکٹر.....اسے کچھ.....'' وہ گھبرا گئی.....زبان اٹکنے لگی۔

''وہ ٹھیک ہی ہو گی جہاں بھی ہو گی۔ان فیکٹ.....وہ یہاں اٹھارہ سال پہلے آئی تھی۔''

Sumaira Hameed:Author

وہ ہنس دی۔''ڈاکٹر اس کی عمر نو دس سال ہے۔آپ کے پاس وہ اٹھارہ سال پہلے کیسے آسکتی ہے؟؟''

''یہ سچ ہے ھدی!یہاں کے ریکارڈ کے مطابق وہ یہاں اٹھارہ سال پہلے آئی تھی۔وہ ایک یتیم خانے میں رہتی تھی۔فیملی کے نام پر اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔چھ سال تک اس کا علاج چلتا رہا تھا۔کچھ این جی اوز نے مل کر اس کا علاج کروایا تھا۔''

''چھ سال.....''اسے جھرجھری آ گئی۔آواز حلق میں دم توڑنے لگی۔''کیا ہوا تھا اسے؟؟''

''بون کینسر.....''

بون کینسر.....''اس کی آواز کپکپا گئی۔''اور پھر.....وہ ٹھیک ہوگئی تھی؟؟''

''وہ ٹھیک ہو چکی تھی۔اسے ڈسٹارچ کر دیا گیا تھا۔یہاں علاج کے لیے آنے والے اکثر مریض ہم سے شیلے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ وہ انہیں پھول دیتی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اس کے دیے پھول بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔جب وہ مسکراتی ہے تو ان کے دل ہلکے پھلکے ہو جاتے ہیں۔''

ہاں ایسا ہی ہوتا تھا۔وہ حیران ڈاکٹر کی شکل دیکھ رہی تھی۔اسے کچھ سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے،کیا پوچھے۔

''اس کا مطلب اس وقت شیلے کی عمر کم سے کم ستائیس اٹھائیس سال ہوگی.....تو پھر وہ مجھے.....وہ.....''

''جس ایج میں وہ تمہیں ملی ہے،اس عمر میں وہ بہت زیادہ تکلیف سے گزر رہی تھی۔،آٹھ،نو اور دس سال کی عمر میں۔ایک نارمل صحت مند اور طاقت ور انسان،تکلیف کی جس شدت کو برداشت کر سکتا ہے،وہ اس سے تین گنا زیادہ تکلیف برداشت کر رہی تھی۔پھر بھی وہ مسکراتی رہتی تھی۔وہ کبھی روئی بھی نہیں تھی۔سنیئر ڈاکٹرز آج بھی اس کے ہمت و حوصلے کی کہانیاں بیان کرتے ہیں۔شاید خدا کو اس کی یہی بہادری پسند آ گئی کہ اسے اُمید کا استعارہ بنا دیا۔اس کے ہاتھ میں پھول دے دیے اور چہرے پر مسکراہٹ۔''

اس کا سر گھوم رہا تھا۔اسے کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی۔''ینگ شیلے اس وقت کہاں ہے؟؟''وہ مشکل سے یہ سوال پوچھ سکی۔

''میں نے کہا نا ھدی!وہ ایک یتیم خانے سے تھی۔چند اور لوگوں کے کہنے پر اس یتیم خانے سے رابطہ کیا گیا تھا لیکن ان کا کہنا تھا کہ بالغ ہونے پر وہ ملک چھوڑ کر چلی گئی تھی۔کہاں یہ کوئی نہیں جانتا۔پھر اسے زیادہ شدومد سے اس لیے بھی نہیں ڈھونڈا گیا کہ جن لوگوں سے وہ ملی تھی،ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ سب ایسے ہی تو اسے ایسے ہی رہنا دیا جائے۔دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ہر واقعہ کی کھوج میں نہیں لگنا چاہیے.....اگر یہ خدا کا کوئی راز ہے،اور شیلے اس راز میں شریک ہے تو اسے ایسے ہی رہنا دیا جائے۔''

وہ بے یقینی سے ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی۔وہ اسے ایسی کہانی سنا رہی تھیں،جس پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔اسے لگا وہ نیند میں ہے،ابھی جاگ جائے گی۔

وہ جاگی تو وہ کڈز وارڈ میں تھی۔وہ وہاں شیلے کو ڈھونڈ رہی تھی۔لیکن شیلے وہاں بھی نہیں تھی۔اس نے کچھ نرسز سے شیلے کے بارے میں پوچھا۔لیکن شیلے کہیں نہیں ملی.....ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔بھری دنیا میں وہ صرف شیلے سے ملنا چاہتی تھی،اور بھری دنیا میں وہی غائب ہوگئی تھی۔

Sumaira Hameed:Author

اس کے دیے پھول ابھی تک اس کے کمرے کی میز پر رکھے تھے..... پھول وہیں تھے پھر شیلے کہاں تھی.....؟؟

گھر آ کر اس نے سب سے پہلے پھولوں کو دیکھا تھا۔ہاتھ بڑھا کر اس نے انہیں اپنے قریب کر لیا تھا۔اس نے ابھی تک ان پھولوں کو سونگھا نہیں تھا۔وہ انہیں اپنی ناک کے قریب لے آئی۔اسے عجیب سی خوشبو محسوس ہوئی۔اس نے دوبارہ انہیں سونگھا اور دیر تک خوشبو کو جانچتی رہی۔پھر اس نے گردن کو شانے کی طرف جھکا کر خود کو سونگھا۔وہ ایک دم سے چونک گئی۔پھولوں میں سے اس کی اپنی خوشبو آ رہی تھی۔وہ ایک دم سے سہم گئی۔پھولوں کو اس نے خود سے دور رکھ دیا..... وہ انہیں سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی..... تو کیا اب جیسے جیسے پھول مرجھائیں گے ویسے ویسے اس کی صحت کے گرنے کی نشاندہی کریں گے۔اب یہ پھول اسے بتائیں گے کہ وہ کب تک تر و تازہ رہنے والی ہے۔

اس کا سر گھوم رہا تھا..... ''مجھے آسمان پسند ہے.....'' اس کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

''جو زمین پر نہیں ہو سکتا..... وہ آسمان سے ہوتا ہے.....''

جھپٹ کر اس نے پھول اٹھائے۔اپنی زندگی کے دنوں کی طرح اس نے انہیں گننا چاہا،لیکن وہ انہیں گن نہیں سکی۔لگا وہ چھ ہیں۔پھر لگا چھ سے تو بہت زیادہ ہیں..... اس کی آنکھیں بار بار دھندلا رہی تھیں۔وہ انہیں انگلی سے الگ الگ کرنے کے باوجود گن نہیں پا رہی تھی۔وہ کانپ رہی تھی۔وہ رو دینے کو ہو چکی تھی۔یہ اس کے ساتھ سب کیا ہو رہا تھا۔اس نے وقت بتانے والی ہر شے ختم کر دی تھی،خود کو گنتی بھلا دی تھی،پھر یہ پھول..... یہ اس کی زندگی کی گھڑی بن کر کیوں آ گئے تھے..... اسے یہ سزا کیوں دی جا رہی تھی؟

بیک وقت دکھی اور پاگل..... ٹوٹی ہوئی اور غمزدہ..... تنہا اور اکیلی..... وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی.....

کتنی ہی دیر تک روتی رہی..... اتنی دیر تک کہ دن جو روشن تھا،وہ مدھم ہوتے ہوتے،رات کی روشنی میں ڈوبنے لگا..... آسمان پر کوئی ستارہ تو ظاہر نہیں ہوا تھا،لیکن ایک ستارہ تھا،جو اس کے قریب ہی..... بس قریب ہی روشن ہو جانے کو تھا.....

میز پر رکھے کرسٹل کے گلاس نما گلدان کو اس نے کچھ دیر تک گھورا،ہتھیلی سے اپنے آنسو پونچھے اور بڑھ کر گلدان اٹھا لیا اور پوری شدت سے،ساری نفرت سے،کامل بے یقینی سے،مکمل بے ایمان ہو جانے سے شیشے کی چھت تک اٹھی دیوار پر دے مارا.....

دُور خاموش پڑی جھیل اور اس کے آب،کنارے خاموش پڑے سوان اور ان کی آواز..... اس سے آگے درختوں کے جھنڈ..... اور جھنڈ سے آگے کائنات..... شیشے کی دیوار کے ٹوٹنے کی آواز کائنات کی ہر شے نے سنی.....

شیشے کے ٹکڑے تیز آندھی کی طرح پیچھے کی سمت ٹوٹے..... لیکن ان کے زروں کے زمین پر گرنے سے کچھ پہلے..... اتنی پہلے کہ انسان پلکیں گرائے اور اٹھا بھی لے..... اس سے بھی کم وقت میں،روشنی کی سمت سے،سب کچھ کر گزرنے والے آسمان کی بلندی سے..... وہ آیا.....

وہ اندھیرے میں اندھیرہ بن کر آئے تو بھی روشنی ہوتا ہے.....

''سب تعریفیں اللہ کے لیے..... جس نے تمہیں انسان پیدا کیا اور مجھے تمہارا نگران..... ''نگران فرشتہ''.....'' اس نے کہا۔

Sumaira Hameed:Author

اس کی ایسی زبردست موجودگی پر وہ اسے دیکھنے لگی.....

☆ ..... ☆ ..... ☆

کرسٹل کا گلدان ٹوٹ چکا تھا۔شیشے کی دیوار بھی۔وہ جھک کر چیوں میں سے ایک ایک پھول الگ کر رہا تھا۔وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

نہ وہ دیکھ کر حیران تھی، نہ سن کر۔اسے ایسا نہیں لگا کہ وہ کسی اجنبی سے مل رہی ہے۔وہ تو اسے ہمیشہ سے جانتی تھی۔بچپن سے۔ایک ایک لمحے سے.....لیکن وہ کبھی اس کی موجودگی کی قائل نہیں ہوئی تھی۔اس کی آواز نے اسے یاد دلا دیا کہ یہ آواز اکثر اس کے کانوں میں گونجتی تھی۔تب یہ آواز، ''بے آواز'' تھی، اب یہ کلام تھی.....

جب وہ پہلی بار یونیورسٹی میں کانوکیشن کے دوران سیڑھیوں سے گر گئی تھی تو ایک لامکاں لمحے میں اس کی صورت دکھائی دی تھی۔

''اسے ہی پست کیا جاتا ہے، جسے بلند کرنا ہو۔اٹھ کر کھڑی ہو جاؤ ھدی!'' وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

پھر جب وہ اوپیرا شو سے نکل کر پیرس کی سڑکوں پر بھاگ رہی تھی تب وہ اس کے ساتھ ساتھ تھا۔اس لڑکی کی صورت جو..... to make the stars came out (ستاروں کی قندیلیں جلا دو) گاتی جا رہی تھی.....وہ ریسٹورنٹ کے باہر لگے اس مزاحیہ بورڈ میں بھی تھا۔جو ''کہاں جا رہے ہیں آپ؟ یہاں آئیے، یہاں پینے کے لیے زندگی اور کھانے کے لیے ''اُمید'' ملتی ہے۔'' کہہ رہا تھا۔

ماں کا ہاتھ چھڑا کر بھاگتا بچہ..... ''آپ نے کہا تھا زندگی بہت خوب صورت ہے، وہ مجھے پرپل ڈریس میں بھاگتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے.....مجھ اس سے مل لینے دیں.....''

جس وقت وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بے ہوش ہوئی، لامکاں لمحے میں وہ اسے پھر دکھائی دیا تھا.....

''جو زمین والے نہیں کر سکتے.....وہ آسمان والا کرتا ہے.....اپنے یقین کو بیدار کرو۔خود کو بیدار کرو ھدی!''

وہ بیدار ہو چکی تھی۔یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔سب پھول سمیٹ کر وہ اس کے قریب آیا اور ان پھولوں کو اس کی سمت بڑھا دیا۔

''دو تمہارے دائیں بائیں، دو آگے اور پیچھے ہیں اور ایک میں ہمیشہ ساتھ رہتا ہوں۔اور میں ہمیشہ خیر کہتا ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کروایا۔

''تم نے اپنی طرف کھلنے والے سب دروازے بند کر دیے تو مجھے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر آنا پڑا.....ھدی! یہ تمہارا نام ہے۔''

☆ ..... ☆ ..... ☆

''ھدی.....یہ تمہارا نام ہے.....درست ہدایت.....یہ تمہارے نام کا مطلب.....پھر تمہارا عمل بھٹکنا کیوں ہے؟''

دونوں نے وقت کو کچھ وقت دیا.....

''اب پھر تم مجھے نصیحتیں کرنے آئے ہو۔میرا کسی بھی بات پر کوئی یقین نہیں ہے۔'' اس نے ''پھر'' کہا۔وہ اسے پوری طرح سے پہچان چکی تھی۔جیسے ہزار سال انسان آئینے سے دور رہے، اور ہزار سال بعد خود کو آئینے میں دیکھے اور فوراً پہچان جائے۔''یہ میں ہوں۔''

Sumaira Hameed:Author

یہ وہ تھا..... اس کا فرشتہ..... اپنی چیزیں، اپنے لوگ، اپنا سایہ، اپنا آپ..... اپنا نگران پہچانے میں وقت نہیں لگتا۔

''ایک خالی ڈبہ بھی تم سے اچھا ہے، کم سے کم اس میں ہوا تو ہے۔'' وہ بیٹھ چکا تھا۔ وہ بدستور کھڑی تھی۔

''تم مجھے نیچا دکھانے آئے ہو؟؟''

''خود (مقصد حیات) کو پانے کی کوشش کرو، اس سے پہلے کہ موت تمہیں پالے۔'' (کانفرس آف دی برڈز) اس نے کہا۔

وہ ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی..... وہ سوالیہ تھی.....

''جیسے اس لڑکی نے خود کو پایا تھا..... وہ بھی بیمار ہوگئی تھی.....؟''

''کون لڑکی.....؟؟''

''تھی..... بہت پیاری لڑکی..... بہت جرات مند.....''

''کیا بیماری تھی اسے.....؟؟'' اتنے دنوں میں پہلی بار وہ حسد کا شکار ہوئی تھی۔ کسی کی تعریف پر.....

''جذام (کوڑھ).....''

اسے جھرجھری سی آئی لیکن وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔ ''جذام..... یہ قابل علاج ہے۔ لوگ اس سے مرتے نہیں ہیں.....'' وہ طنز سے ہنس بھی دی تھی۔

''پہلے مرتے تھے ھدی! شرم سے، ذلت سے..... تنہائی اور پھٹکار سے..... سب سے بڑھ کر لعنت سے۔'' وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ ہنس نہیں سکا تھا.....

''کیا تمہیں کسی نے لعنتی کہا؟؟ تمہیں پھٹکارا؟؟ غلاظت جان کر تمہیں دُور پھینک آئے؟؟ کیا تمہاری ماں کو، دل پر پتھر رکھ کر، باپ کو سینے پر سلیں رکھ کر، خود سے الگ کر دینا پڑا؟''

وہ پوچھ رہا تھا..... وہ سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی.....

''کیا تمہارے اس چہرے پر کسی نے تھوک دیا اور کہا..... ''لعنت ہو تم پر؟'' جس پر خدا کی پھٹکار پڑی ہے، اس پر ہماری بھی پھٹکار ہو.....؟؟''

وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ ''کیا کہہ رہے ہو..... کون تھی وہ.....؟؟''

''دبیسا.....'' وہ بتانے جا رہا تھا..... ڈوب چکے دن کی روشنی اس کی پشت پر غروب ہونے لگی تھی۔

☆ ..... ☆ ..... ☆

''دبیسا..... یہ اس کا نام ہے.....''

دن کی روشنی اس کی پیشانی سے طلوع ہو رہی تھی۔ وہ چھ لڑکیاں یونانی کھیل، کھیل رہی ہیں۔ پانچ لڑکیاں دائرہ بنا کر کچھ دور دور کھڑی ہیں، چھٹی دائرے کے اندر کھڑی ہے۔ جو دائرے کے اندر کھڑی ہے وہ کپڑے سے بنی گیند اوپر اچھال کر، دائرے میں کھڑی پانچ

Sumaira Hameed:Author

میں سے ایک کا نام لے کر اپنی جگہ چھوڑ رہی ہے.....

''دبیسا.....''

دورین نے نام پکارا اور ہماری دبیسا نے، زمین پر گرنے سے پہلے، سراعت سے اچھل کر گیند پکڑ لیا.....سر پر ٹکی چادر، دونوں شانوں سے پیچھے کمر پر گری ہے۔ وہیں سے پیچھے ہوا سے لہرا رہی ہے۔ بادبان کی طرح پھڑ پھڑا رہی ہے.....

وہ کافی وقت سے سمندر کنارے یہ کھیل کھیل رہی ہیں۔ مشرق کی سمت خاموش گھاٹیوں کا شہر دکھائی دیتا ہے.....اور وہ سامنے سب انسانوں اور ایک چڑیل کا شہر.....دبیسا کا شہر.....چند دنوں کی مسافت پر بیت المقدس، ان کا ہمسایہ شہر.....ہزاروں، ہزاروں سال پرانا، اس دنیا کا وہ ایک شہر.....

جب وہ اس کھیل سے تھک گئیں تو نشانی رکھ کر، چھڑی سے لکڑی کے پہیہ دوڑانے لگیں۔ یہ کھیل شہر کے بچوں میں بہت مقبول تھا۔ وہ ان جیسی بچیاں تو نہیں تھیں لیکن اتنی بوڑھی بھی نہیں ہو چکی تھیں کہ یہ کھیل نہ کھیل سکتیں۔ دبیسا ان پانچ میں سب سے آگے نکل آئی تھی۔ دُور سے آتا گھڑسوار عین اس کے پہیہ کے پاس آ کر رکا۔ پہیہ اپنی دوڑ کا دم توڑ گیا۔ اس نے غصے سے گھڑسوار کو گھورا۔ شہر کے اندھے کو بھی اتنی عقل تھی کہ ''دبیسا'' کا راستہ نہیں کاٹتا.....یہ کون سا اندھا تھا جس نے اس کی دوڑ کو کاٹ دیا تھا۔ اس کی سہیلیاں ہنسی دباتی ہوئیں اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔

''کیا چاہیے؟؟''ہوا سے اس کی چادر پھڑ پھڑاتی رہی تھی اور غصے سے نتھنے.....

''دبیسا.....''وہ اپنی ٹھوڑی کھجانے لگا۔''ایسا سا ہی نام ہے اس لڑکی کا۔ سنا ہے وہ یہاں کی سب سے حسین لڑکی ہے۔ دو دن سے میں اس شہر میں ہوں، سوچا شاید تم میں سے ہی کوئی ہو۔ سنا ہے اس کا نخرہ آفتاب ہے اور مزاج تیز تلوار۔ ایک بار دیکھنا چاہتا ہوں اسے۔''

''آں.....تم دبیسا کو دیکھنے آئے ہو.....اپنی صورت آئینے میں دیکھی ہے جو اسے دیکھنے آئے ہو۔''وہ اسے گھور رہی تھی۔

''اگر وہ حسین ہے تو میں ذہین ہوں.....عقل و شعور مجھ پر ختم ہے۔''اس نے گردن اکڑی۔ بے چاری گردن۔

''جو اپنی زبان سے اپنی عقل کا اظہار کرتا ہے.....وہ بے وقوفوں کا سردار ہوتا ہے.....''

''بہت تیز زبان ہے تمہاری.....کیا نام ہے تمہارا؟''

''بتاتی ہوں نام، پہلے تمہیں راستہ بتا دوں.....دیکھو.....وہ ادھر.....تمہارے دائیں ہاتھ کنواں ہے.....اس میں کود جاؤ.....ورنہ بائیں ہاتھ تھوڑا سفر کرو، ایک گھاٹی آئے گی، اس پر سے کود جاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو ذرا انتظار کرو، میں مطب سے تمہیں زہر لا دیتی ہوں۔''

''زہر کیوں دبیسا! تمہارے دانت ناکارہ ہو گئے ہیں کیا؟''اس کی سہیلی نے اسے یاد دلایا.....جلاد سہیلی.....

''دانت؟؟ کیا مطلب ہے تمہارا.....''کس کے دانت؟ کیسے دانت؟؟''بے چارہ گھڑسوار.....

''مطلب صاف ہے، لوگ کہتے ہیں، میرا کاٹا پانی مانگے بغیر دل بند ہو جانے سے مر جاتا ہے۔ اب اگر تم ایسے مرنا ہی چاہتے ہو تو

Sumaira Hameed:Author

بس یہ بتادو تمہاری قبر کہاں بنائی جائے۔گھوڑے پر لاد کر سمندر میں پھینک دی جائے۔یا لکڑیاں دہکا کر جھونک دی جائے۔میرا خیال ہے آگ دہکا کر جھونک دی جاے،عرصہ ہوا شہر کو دھونی نہیں ملی۔کیڑے مکوڑوں نے جان عذاب کر رکھی ہے۔تمہاری دھونی سے وہ بھی مرمرا جائیں گے.....''

''تو تم ہی دبیسا ہو؟ تمہاری زبان ہے یا کسی رومی کی تلوار؟ سانس لینے کے لیے رکتی ہے یا بس سانس کاٹ ڈالتی ہے؟؟''

''تمہیں لگا کہ رومیوں کا ذکر کرنے پر میں تمہیں جھک کر سلام کروں گی.....ہاں ایسا ہی ہوگا.....ٹھہروں مجھے جھک کر سلام کر لینے دو۔''وہ چلتی ہوئی اس کے قریب گئی۔وہ حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔سمجھ تب آیا جب اس کے دانت اس کی ٹانگ کے گوشت اور ہڈی میں پیوست ہو گئے.....

کھلا سمندر.....خاموش گھاٹیاں.....اور ہنستا بستا شہر.....سب دبیسا کے کرتوں اور گھڑسوار کی چیخوں سے گونج اٹھے.....

☆ ..... ☆ ..... ☆

''دبیسا،دبیسا.....میں تمہارا کیا کروں.....کسی سے شادی کرو گی یا نہیں؟''وہ چڑ کر پوچھ رہے تھے۔

''والد.....والد.....والد.....مجھ سے نرم لہجے میں بات کریں۔آپ کا لہجہ میرے دانتوں کی کاٹ سے زیادہ تیز نہیں ہونا چاہیے۔''پتھر کی سل پر کھینچی لکیریوں پر وہ گوٹیاں رکھ رہی تھی۔

انہوں نے ایک لمبا سانس کھینچا۔ذرا سنبھل کر بیٹھے۔''وہ اچھا ہوش مند نوجوان تھا دبیسا!تمہارے چچا نے اس کی بہت تعریف کی تھی۔''اب ان کی آواز اتنی دھیمی ہوگئی کہ دبیسا کی ہنسی نکل گئی۔

''واہ کیا ہوش مند تھا۔اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ سقراط کے پیالے میں کیا تھا.....''گوٹی کھسکا کر چال چلی۔

''کیا تھا؟؟ زہر نہیں تھا کیا.....؟؟''انہیں بھی معلوم نہیں تھا۔وہ اپنی ڈاڑھی کھجا رہے تھے۔گوٹی ڈاڑھی میں الجھ گئی۔

''والد آپ کو بھی نہیں معلوم.....والد آپ کو بھی.....''وہ چلا اٹھی۔کھینچ کر ڈاڑھی سے گوٹ الگ کی۔

''آں دبیسا.....وہ.....دراصل.....مجھے یاد تھا لیکن.....پتا نہیں کیسے بھول گیا.....بتا دو میری جان کیا تھا اس میں.....''

''زہر تھا اور کیا.....وہ کہنے لگا سقراط کے پیالے میں سقراط کا اپنا عکس تھا۔جب اس نے جھانک کر پیالے میں دیکھا تو اسے اپنی شکل دکھائی دی۔میں نے اس کی شکل کی طرف گھور کر دیکھا۔اور کہا''پیالے میں شقران پودے کا زہر تھا۔لیکن تمہارے بھدے پیالہ نما سر میں عقل کی جگہ وہم،فتور،دھول سب ہے۔ایک نیک کام کرو،تھوڑا سا زہر تم بھی پی لو۔جب سقراط مر گیا تو تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔''

''تمہیں سقراط،وقراط سے کیا لینا دینا میری دبیسا؟ گھر بسانے کے بارے میں سوچو۔لوگ ٹھیک کہتے ہیں،میرے لاڈ پیار نے تمہیں بگاڑ دیا ہے۔سارے شہر کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔سب لڑکیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔تمہاری سب سہیلیاں لڑکوں میں سو سو کیڑے نکالتی ہیں۔''

''مردوں میں جانوروں کی اور بھی قسمیں ہوتی ہیں والد! آپ یہ چوہے ہی کیوں ڈھونڈتے ہیں۔خچروں کے ساتھ تو گزارا بالکل

Sumaira Hameed:Author

ہی مشکل ہے..... بلکہ محال ہے..... کیا خطہ زمین پر شیروں کی کوئی قسم موجود نہیں؟''

''شیر رومن اکھاڑوں سے نبرد آزما ہیں..... اب بتاؤ وہ گھر کیسے بسائیں.....'' وہ چڑ گئے۔

''جبکہ ان خچروں کو ان اکھاڑوں میں کھپنا چاہیے.....'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''دبیسا.....'' ان کی آواز ذرا پھر سے بلند ہوئی۔

''والد..... چپ کر جائیں والد..... چپ کر جائیں.....'' اس نے پٹخ کر گوٹی ماری۔ گوٹی تو بچ گئی لیکن والد سہم گئے۔

''ساری دنیا میرے حسن سے رعب کھاتی ہے۔ آپ مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ دبیسا کا باپ کیسا ظالم ہے۔ رومی کیا کہیں گے۔ دلسیا کا باپ کیسا جلاد ہے۔ رومیوں کی بیویاں کیا کہیں گی؟ دبیسا کا والد کیسا سخت کلام ہے..... نہ کریں والد..... نہ کریں۔ ورنہ آپ کے ہاتھ پیر باندھ کر میں آپ کو گھاٹی تک لے جاؤں گی۔ وہاں چھوڑ آوں گی..... چھوڑ کر بھول آؤں گی۔ ہزاروں سالوں بعد جب آپ کو لینے جاؤں گی تو پھر یہی کہوں گی، ''چپ کر جائیں والد! میرے لیے یہ چوہے ڈھونڈنا بند کر دیں۔''

والد کا ہنس ہنس کر برا حال ہو چکا تھا..... ''دبیسا تمہاری زبان..... تمہارا کلام..... میرا تو دل موہ لیتا ہے میری جان۔ پر شہر کے لوگوں پر رحم کرو، انہیں کاٹنا بند کرو۔ گھر میں سبزیاں پھل سب رکھے ہیں۔ بھیڑیں بھی ہیں، انہیں کام میں لے آؤ۔ چاہو تو کچا کوشت کھایا کرو، لیکن اجنبیوں کو کاٹنا بند کرو۔ شہر کے لوگوں نے تو عرصہ ہوا تمہارے تیز دانتوں کے وار پر واویلا مچانا چھوڑ دیا۔ شہر بھر میں شاید ہی کوئی خوش قسمت ایسا بچا ہوگا، جو تمہارے دانتوں کے وار سے بچ گیا ہوگا۔ آج تم نے ایک خاتون کے بھائی کو کاٹ کھایا۔ ہاتھا اٹھا اٹھا کر بد دعائیں دے رہی تھی وہ تمہیں۔ وہ تو تمہیں جان سے مار ڈالنا چاہتی تھی۔ میں نے انہیں بہت مشکل سے ٹھنڈا کیا..... تین بھیڑوں پر معاملہ ختم ہوا۔ اگر سچ کہوں تو تم نے اسے ایسے کاٹا کہ اس سے ٹھیک سے کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ دبیسا بس کر..... د.....''

''آپ پھر بولے والد..... پھر بولے آپ؟؟'' اس نے کپڑا پکڑ کر والد کے ہاتھ باندھنے شروع کر دیے۔ پھر دوسرے کپڑے سے ان کا منہ باندھ دیا۔ دہلیز تک جا کر اصطبل کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔ اصطبل کا ملازم جلدی سے گھوڑا لے آیا۔ والد کو اسی حالت میں گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھایا۔ خود وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھی اور والد کے گھوڑے کو گھاٹیوں کی طرف لے جانے لگی۔

وہ جو کہتی تھی..... وہ کرتی تھی.....

دونوں گھوڑے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ بازار کے لوگوں نے دبیسا کے والد کو ایسی حالت میں دیکھا تو ہنسنے لگے۔ والد خود بھی ہنس رہے تھے۔ لیکن دبیسا نہیں ہنس رہی تھی۔ اس کا ماننا تھا کہ جب کسی کو سزا دی جائے تو پھر سنجیدہ رہا جائے، ورنہ سزا ایک مذاق بن کر رہ جائے گی۔

''دبیسا! اپنے والد کو کہاں لے جا رہی ہو.....؟؟'' سبزیوں، پھلوں کی ٹوکریوں کے ڈھیر کے پاس کھڑے چچا نے پوچھا۔

''والد کو سبق سکھانے..... گھاٹی تک لے جا رہی ہوں..... بہت دن ہوئے انہوں نے سورج کو غروب ہوتے نہیں دیکھا۔''

''لیکن وہاں تو بہت چوہے ہوتے ہیں.....'' چچا نے فکرمندی سے ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ لیا۔

Sumaira Hameed:Author

''بہت دن ہوئے انہوں نے چوہے بھی نہیں دیکھے.....''اس نے ہنسی دبانے والوں کو گھور کر دیکھا.....ایک ایک کو.....

''وہ چوہے تو بہت زہریلے ہیں، کاٹتے ہیں تو ناسور بن جاتا ہے.....''

''آپ کی بہت سلام دعا ہے ان چوہوں سے چچا! آئیں آپ کو بھی ان سے ملوا لاتی ہوں۔اپنا حال چال کہہ لیجئے گا ان کا سن لیجئے گا۔جی چاہا تو ایک آدھ کو بھون کر کھا بھی جایئے گا.....''

بازار کے لوگ ہنسنے لگے۔اس کی حرکتیں بچکانہ، بیوقوفانہ، باتیں دلیرانہ، دلربانہ تھیں۔وہ کسی سے ڈرتی ہی نہیں تھی.....

''اچھا یہ تربوز لیتی جاؤ۔بہت میٹھا ہے۔راستے میں کھا لینا۔''چچا نے ایک تربوز دو ٹکڑے کر کے اس کی سمت بڑھایا۔چچا پر احسان کرتے ہوئے اس نے تربوز قبول کر لیا، اور تربوز کے سینے میں دانت گاڑ دیے.....

''اتنا بھی میٹھا نہیں ہے جتنا چہک کر آپ نے کہا تھا.....''تربوز تو واقعی میٹھا تھا، لیکن وہ اتنی جلدی کیوں مانتی۔

''تربوز لیا ہے تو شکریہ بھی کہہ دو دبیسا.....''چچا باز آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اس نے لگام کو جھٹکا دیا۔''چچا! لگتا ہے آپ کا بھی گھاٹی تک جائے بغیر گزارا نہیں ہوگا۔آپ کی پسلی پھڑک رہی ہے۔آپ شرافت سے والد کے پیچھے بیٹھیں گے یا میں نیچے اتر کر یہ انتظام کروں؟''

چچا نے شریفانہ سا قہقہہ لگایا۔ہاتھ جوڑ دیے۔''ناں، ناں.....اپنے والد کو ہی لے جاؤ۔میں اپنی پسلی کا علاج کرواتا ہوں۔دوبارہ یہ تمہارے سامنے نہیں پھڑکے گی۔ویسے ایک بات ہے دبیسا! میری خواہش ہے کہ تمہاری شادی کسی رومی سے ہو، تاکہ جو آدھی دنیا فتح ہونے سے رہ گئی ہے وہ تم فتح کر لو۔تلوار تمہارے کس کام آئے گی، جب زبان ہی سب کام کرنے کے لیے کافی ہے۔''

''والد کی ایک تلوار دیوار پر لٹکی ہے، کہیں تو آپ کا کام اس سے تمام کر دوں؟''

ایک زوردار قہقہہ بازار میں گونجا.....سب ہنسنے لگے.....

''آپ کی پسلی کا تو پتا نہیں لیکن اب میری پسلی پھڑکنے لگی ہے۔''وہ گھوڑے سے اترنے لگی تو چچا قہقہہ لگاتے ہوئے، بازار سے بھاگ گئے۔

☆ ..... ☆ ..... ☆

دونوں باپ بیٹی ایک گھاٹی کی بلندی پر پیر لٹکا کر بیٹھے ہوئے تھے۔سمندر کی لہروں کا شور، پرندوں کی چہچہاہٹیں، ہوا کی سرمستیاں، اور غروب ہوتے سورج کی الوداعی کرنیں.....دنیا کیسی خوب صورت تھی.....

''ایک اور سورج غروب ہو گیا.....''والد نے آہ بھر کر کہا۔

''آج کا سورج، کل کے سورج کے لیے رخصت ہو گیا۔آپ نے ایسے کیوں نہیں کہا والد؟''تربوز کھاتے دبیسا نے پوچھا۔

وہ ہنس دیے۔''تم بچی ہو۔تمہارے پاس بہت سورج پڑے ہیں۔میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ایک ایک سورج کو انگلیوں پر گنتا ہوں۔میری عمر کے دن ہی کتنے بچیں ہوں گے۔''

Sumaira Hameed:Author

''زندگی میں بہت سورج دیکھے، اب اگلی زندگی کا سورج دیکھنا چاہتا ہوں۔'' آپ نے ایسے کیوں نہیں سوچا؟''

وہ ہنسنے لگے۔ ''تم پرامید ہو.....''

''آپ کے ناامید ہونے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟؟''

''تمہیں موت سے ڈر نہیں لگتا.....؟؟

''کیا زندگی نے آپ کو ڈرایا؟؟ اگر نہیں تو پھر موت سے کیسی ناراضی؟''

''اگر میں مرجاؤں تو کیا تمہیں دکھ نہیں ہوگا۔'' وہ حیران اپنی دبیسا کی صورت دیکھ رہے تھے۔

''بہت ہوگا۔غم سے میرا دل پھٹ جائے گا۔لیکن کیا آپ اکیلے ہیں جو مرجائیں گے؟ کیا میں ہمیشہ زندہ رہوں گی؟''

انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ ''مجھے تم پر فخر ہے دبیسا.....'' وہ لاجواب ہو چکے تھے۔

''آپ کو مجھ پر ہمیشہ فخر رہے گا.....''

''پھر ایسا کرو، لوگوں کو کاٹنا بند کردو۔ جب لوگ اپنی کھال پر تمہارے دانت دکھاتے ہیں تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرہ چھا جاتا ہے۔''

''زیادہ روشنی بھی اچھی نہیں ہوتی والد! کبھی کبھی اندھیروں سے بھی سلام دعا کر لینی چاہیے۔ ایسے روشنی کی قدر بڑھ جاتی ہے۔''

''میری دبیسا! لوگوں پر رحم کرو.....تم کاٹتی کیوں ہو؟ میں آج تک نہیں سمجھ سکا.....''

''اچھے سے اچھے انسان میں بھی ایک بری خصلت ہوتی ہے والد.....''

''پر وہ تو اچھے انسان میں ہوتی ہے..... میں تو تمہاری بات کر رہا ہوں.....''

دبیسا نے گھور کر باپ کو دیکھا اور باپ کا قہقہہ گھاٹیوں کے سناٹوں میں گونجنے لگا۔

''بہت دن ہوئے، آپ کی میری دانتوں سے بھی سلام دعا نہیں ہوئی.....'' اس نے باپ کی کلائی پکڑ لی۔ ''اب آپ کو یاد رہے گا کہ مجھ سے سوال کرنے کا، جواب کہاں ملتا ہے۔ اب جب آپ اس پر مرہم لگائیں گے، تکلیف سے رات بھر سو نہیں پائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دبیسا پر طنز کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے.....''

وہ اس سے اپنی کلائی آزاد کروانے کی ذرا برابر بھی کوشش نہیں کر رہے تھے۔

''میں کاٹ لوں گی والد! آپ جانتے ہیں مجھے.....'' وہ دانت گاڑنے ہی والی تھی۔

''کاٹ لو میری دبیسا! مجھے سفر پر جانا ہے۔ جب جب اس زخم میں تکلیف ہوگی، تب تب تم مجھے یاد آؤ گی.....''

''میں آپ کو ٹھیک طرح سے یاد آؤں.....اس لیے میں ٹھیک طرح سے کاٹ.....''

بات اور کام ادھورا رہ گیا.....دُور سے آتی گھنٹیوں کی آواز یکدم سے بہت قریب آ گئی۔ والد نے جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے جدا کیا اور اس کے سر پر ٹکی چادر کو پکڑ کر گردن سے نیچے تک کھینچ دیا۔ وہ چادر میں پوری چھپ گئی۔

Sumaira Hameed:Author

گھنٹیاں قریب آ چکی تھیں۔ دبیسا نے چادر کو ذرا سا پرے کرنا چاہا تو والد نے بھڑک کر اس کے جسم پر ضرب لگائی۔ چادر کی بکل پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چٹان کی طرح سخت ہو چکے تھے۔

''تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ کچھ رحم کرو شہر کے لوگوں پر۔'' وہ ڈھال بن کر دبیسا کے سامنے کھڑے تھے۔

وہ دو رگھاٹیوں سے کوڑھیوں کے ٹھکانے سے نکل کر آئی تھی۔ ہاتھ میں سہارے کی چھڑی تھی، جس کے اوپری کنارے پر گھنٹیاں بندھی تھی۔ وہ اپنے دو پیروں کے بغیر تو شہر کی طرف آسکتی تھی لیکن ان گھنٹیوں کے بغیر نہیں آسکتی تھی۔ ورنہ شہر کے لوگ اسے چیر پھاڑ ڈالتے.....

ضعیفہ (بوڑھی) نے گہری آہ بھری۔ ''میرے والد کو بھی مجھ سے بہت پیار تھا۔ مجھے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ مجھے کوڑھ ہوا تو وہ جیتے جی مر گئے۔''

''میں نے تم سے کہا کہ تمہیں گھاٹی سے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔'' والد کا لہجہ بہت سخت ہو گیا۔

''تم سب ایسے کیوں نہیں کہتے کہ ہمیں سانس لینا بھی چھوڑ دینا چاہیے؟ اس زمین کے ہر انسان، اس آسمان کے ایک خدا نے ہمیں چھوڑ تو دیا.....اب کیا چاہتے ہو.....؟؟''

بیٹھے، بیٹھے ہاتھ بڑھا کر اس نے والد کا ہاتھ دبایا کہ ذرا نرمی سے بات کریں۔ والد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''چلو دبیسا!'' وہ اسے گھسیٹنے لگے۔ انہیں ضعیفہ کے قریب سے گزر کر جانا تھا لیکن والد نے دوسرا لمبا راستہ اپنایا۔ وہ گھاٹی سے اتر رہے تھے۔

''دبیسا! لاجواب کلام کرتی ہو..... ہمارے لیے خدا سے کلام کیوں نہیں کرتیں؟''

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ ''آپ خود کیوں نہیں کر لیتیں..... میں ہی کیوں؟؟'' چادر ابھی تک سینے تک کھینچی ہوئی تھی۔ اس لیے چلا کر کہنا پڑا۔

''کچھ کو کچھ پر فوقت ہوتی ہے دبیسا! تمہارے اطوار کہتے ہیں، تمہیں خدا کو راضی کرنے کے انداز آتے ہیں۔ تمہاری ایک ایک ادا بتاتی ہے، تمہیں ''خدا کی مرضی زمین پر لانا آتی ہے۔'' وہ ان کی سمت گھوم کر، بلند آواز سے بولیں۔

''کیا بات کرتی ہیں..... خدا سے میں نے مصری ریشم کے لیے کہا تھا، دورین کی شادی کے لیے۔ ابھی تک اس ریشم سے محروم ہوں۔ اب دورین کی شادی پر کیا پہنوں گی؟'' اس نے ہنس کر کہا۔

وہ بھی ہنس دیں۔ والد کا غصے سے برا حال تھا۔ اس کا بازو اپنی گرفت میں لے کر وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹ رہے تھے۔ اس لیے وہ گرتے پڑتے چل رہی تھی۔

''خدا کی مرضی کے آگے، ریشم کی کیا اوقات ہے دبیسا!''

''خدا کی مرضی زمین پر لانا کسے کہتے ہیں؟؟'' اس نے چلا کر پوچھا۔

Sumaira Hameed:Author

''جب لے آؤ گی تو جان جاؤ گی.....'' چلا کر ہی جواب ملا۔

اس نے ایک ہاتھ سے چادر کا کونا اٹھا کر گردن موڑ کر پیچھے دیکھا..... بہت دور کھڑیں وہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔دونوں کی نظریں ملیں.....اور دونوں ہی ہنس دیں.....

دو میں سے ایک کوڑھ زدہ تھی.....اور ایک ہونے والی تھی.....

ہماری دبیسا.....وہ بہت جلد ان گھاٹیوں میں آ کر رہنے والی تھی.....

☆ ..... ☆ ..... ☆

ریشم کا مصری تھان عین وقت پر پہنچ گیا تھا۔سفید رنگ کا۔کچھ عرصہ پہلے اس نے بازار میں ایک رومی عورت کو دیکھا تھا۔اسے اس جیسا لباس بنوانا تھا۔وہ مشکل سا تھا لیکن دورین سلائی کڑھائی میں بہت ماہر تھی۔اس نے اسے کچی زمین پر اس لباس کا نقشہ بنا کر دکھایا تھا۔

''پر تم اس میں بہت عجیب نہیں لگو گی دبیسا.....؟؟'' وہی دورین کی کام چوری کی عادت.....

''میں نے تمہیں لباس بنانے کے لیے کہا ہے.....منہ نہیں.....''

''تمہارا یہ ریشم سمندر میں غرق کر آؤں گی۔مجھ سے کام لے رہی ہو تو احترام بھی دو۔''

''نجانے کیوں، سارا شہر میرا تحمل آزمانے پر تلا رہتا ہے۔نہیں لینا مجھے تم سے کوئی کام وام.....'' اس نے منہ پھلا کر کہا، اپنا ریشم کھینچ لیا۔

''اچھا اچھا.....کوشش کرتی ہوں.....شاید تمہارا لباس ویسا ہی بن جائے جیسا تمہیں چاہیے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن دیکھنا ایسا نہ ہو کہ تمہارے چھوٹے بہن بھائی اس ریشم میں شہر کی گلیوں میں ''خاک'' ہوتے ہوئے ملیں۔میرا مطلب خاک آلود۔معاف کرنا اس میں اپنی والدہ کو بھی شامل کر لو۔میری چیزوں سے انہیں خاص چڑ ہے۔وہی پسند کرتی ہیں جو میں کرتی ہوں۔اپنی عمر کا بھی لحاظ نہیں کرتیں۔یہ نا ہو مجھ سے پہلے وہ اسے پہن کر بازار خریداری کرنے چلی جائیں۔''

دورین نے دانت پیسے۔''والدہ سے کہوں گی وہ اسے پہن کر خریداری کرنے نہ جائیں، دبیسا کا گلا دبانے چلی جائیں۔''

والدہ خریداری کر کے، دبیسا کا گلا دبانے آ چکی تھیں۔اور ریشم کو اٹھا کر دیکھ رہی تھیں ''کیا نصیب ہیں تمہارے دبیسا! کیا ریشم منگوایا ہے تم نے۔''

دبیسا نے دورین کو گھور کر دیکھا۔دورین نے والدہ کے ہاتھ سے تھان کھینچنا چاہا تو انہوں نے اسے پورا کھول کر شانے پر پھیلا لیا۔

''واہ! کمال کا کپڑا ہے۔کوئی وزن نہیں۔ایسی لیے مصری ریشم مشہور ہے۔دبیسا کپڑا بچے تو.....''

''کپڑا نہیں بچے گا خالہ! دورین کہتی ہے کپڑا کم ہے.....مشکل سے ہی میرا لباس بنے گا.....''

''دورین تو پاگل ہے.....میں بناؤں گی تمہارا لباس.....دیکھنا پھر کتنا کپڑا بچے گا.....''

Sumaira Hameed:Author

''لیکن پھر آپ کی گردن نہیں بچے گی خالہ.....''اس نے دانت پیس کر کہا۔

دورین نے کھانسنا شروع کر دیا۔وہ پھر سے اپنی سہیلی اور ماں کی لڑائی نہیں چاہتی تھی۔اس نے جلدی سے ریشم سمیٹ کر دبیسا کے ہاتھ میں دیا۔

''دیکھو اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔میرے چھوٹے بہن بھائی شرارتی ہیں۔اسے نقصان پہنچا دیں گے۔تم لے جاؤ اور خولہ سے بنوا لو۔میری طبیعت ویسے بھی ٹھیک نہیں رہتی۔''وہ اسے اشارے کہہ رہی تھی کہ ریشم سمیٹ لو جلدی سے۔ابھی تو کھسکو۔

''میری بھی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔خالہ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟؟''اس کا منہ پورا پھول گیا۔

''میری طبیعت تو ایسا اعلی ریشم دیکھ کر باغ باغ ہو چکی ہے۔''

''پھر آپ اس باغ میں چہل قدمی کریں، میں پھر کبھی آؤں گی.....''خالہ ریشم چھوڑ ہی نہیں رہی تھیں۔اسے کھینچنا پڑا۔خالہ کا منہ بن گیا۔

وقت کے سمندر میں، دن کا ہدہد پرواز کر رہا ہے.....

شہر کا دلارا پرندہ ''دبیسا'' گھر کے درخت پر چڑھ کر پھل توڑ رہا ہے۔ایک پرندہ درخت کی اونچی شاخ پر آ کر بیٹھا تو اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔پرندہ اجنبی تھا۔اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

''شہر میں اجنبی پرندہ آیا ہے ماں! میں اس سے باقاعدہ ملاقات چاہتی ہوں۔''پرندہ درخت سے اڑا تو وہ بھی جلدی سے درخت سے نیچے کود گئی۔جھولی میں بھرے پھلوں کو ٹوکری میں انڈیل دیا.....

''کس لیے دبیسا؟ اسے بھی کاٹنا ہے.....پرندوں کو تو چھوڑ دو.....''

''شہر میں کوئی ایسی ماں نہیں جس کے لہجے میں طنز نہ ہو۔میری ماں ان سب ماؤں کی سردار ہے.....''

''شہر میں کسی کی بیٹی ایسی نہیں جو انسانوں کو پکڑ پکڑ کر کاٹتی ہو۔میں خوش نصیب ماؤں میں اکیلی بدنصیب ماں ہو۔''ماں نے چڑ کر کہا۔

''والد کو مجھ پر فخر ہے.....''سر اٹھا کر وہ پرندے کو دیکھ رہی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

''کاش میں بھی تم باپ بیٹی پر فخر کر سکتی۔کیسی ڈھیٹ ہو تم..... ماں گھر کے کاموں میں ہلکان ہو رہی ہے۔بیٹی اجنبی پرندوں کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔''وہ رات کے کھانے کا انتظام کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھیں۔

''والدہ آپ نے سنا نہیں کہ اجنبی پرندے۔فرشتوں کی صورت ہوتے ہیں۔وہ خدا کا پیغام لے کر آتے ہیں۔''

''اپنی ماں کے ساتھ گھر کے کاموں میں مدد کرواؤ۔یہ پیغام لایا ہے پرندہ.....''

''فرشتے ایسی خراب باتیں نہیں کرتے.....''وہ گھر کی دہلیز سے باہر جا رہی تھی۔

''گھر کے کام کرنا خراب باتیں ہیں۔جو تم لوگوں کی کھالیں ادھیڑتی پھرتی ہو؟''

Sumaira Hameed:Author

''وہ اسی کے مستحق ہیں.....''

پرندہ شہر سے باہر جا رہا تھا۔ ہماری دبیسا بھی شہر سے باہر جا رہی تھی ۔پھر وہ پرندے کے ساتھ ساتھ گھاٹیوں تک چلی گئی ۔پہلے پرندہ گھاٹیوں کی چوٹیوں پر اڑتا رہا پھر وہ ان گھاٹیوں کے اندر اتر گیا ۔اسے مایوسی ہوئی ۔ایسا پیارا پرندہ کہاں چلا گیا۔ایسی گندی اور بدبودار جگہ۔والد نے اسے اپنی قسم دی تھی کہ کچھ بھی ہو جائے ،وہ کبھی اس طرف نہیں جائے گی ۔وہ کوڑھیوں کا ٹھکانہ ہے ۔

وہ واپس گھر کی طرف آ رہی تھی کہ اسے گھنٹیوں کی آواز سنائی دی۔ یہ وہی ضعیفہ تھیں ۔گھنٹیوں کی آواز، ساری کائنات کی آواز بن گئی تھیں ۔وہ شہر کی دہلیز سے بچ بچ کر چل رہی تھی ۔دونوں ایک ہی راستے پر دو مختلف سمتوں میں تھیں ۔وہ شہر کی طرف، وہ شہر سے دور ویرانے کی طرف.....

اچانک ضعیفہ نے اپنی آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ لڑھکڑا کر گر بھی گئی تھی ۔اس کے تکلیف سے بلبلانے کی آواز اس تک بھی آ رہی تھی .....ایک ساتھ کئی پتھر ضعیفہ کے جسم سے ٹکرا رہے تھے ۔وہ زمین پر بے کل ہو رہی تھی ۔اس کی کھال سے خون بہنے لگا تھا۔دبیسا بھاگ کر اس کی طرف آئی ۔کچھ دُور، ایک درخت کی شاخ پر چڑھ کر بیٹھا خرطوم اسے دکھائی دے گیا تھا۔حسب عادت شہر کے دوسرے بچوں کو اپنے ساتھ ملا کر وہ کوڑھیوں پر پتھر مارنے میں مصروف تھا۔ بچے اسے پتھر اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے اور وہ تاک تاک کر مار رہا تھا۔اس کا نشانہ اتنا پکا تھا، کہ ضعیفہ کی ناک، کان، آنکھ سے خون بہنے لگا تھا۔

وہ ان کی طرف آندھی طوفان کی طرح لپکی تو سب اس کی شکل دیکھتے ہی بھاگ گئے، لیکن خرطوم کو درخت سے اترنے میں وقت لگا۔

''میری شکل کی طرف دیکھو۔ پہچانتے ہو میں کون ہوں؟'' خرطوم کو گریبان سے گھسیٹ کر وہ زمین پر پٹخ چکی تھی۔اور اب اس پر جھکی اس سے پوچھ رہی تھی ۔

''تم اس شہر کی چڑیل ہو.....بلا ہو.....تمہیں کون نہیں پہچانتا۔'' وہ پشت کے بل پیچھے کھسک رہا تھا۔دبیسا نے اس کے ایک ہاتھ پر اپنا پیر رکھ کر دباؤ بڑھا دیا۔

''اس چیڑیل کے دانت دیکھو.....'' اس نے منہ کھول کر اپنے دانت انگلی سے ٹھونک کر پوچھا۔''نظر آئے.....؟'' اب وہ اس کا ایک کان پکڑ کر شدت سے مروڑنے لگی تھی ۔خرطوم کا دم نکل رہا تھا۔خوف سے اس کی آنکھیں ابل رہی تھیں ۔

''میں تمہارا خون پی جاؤں گی ۔تمہاری کھال نوچ لوں گی ۔دوبارہ تمہیں پتھر مارتے دیکھا تو گردن سے دبوچ کر، کنوئیں میں پھینک دوں گی ۔آگ جلا کر، اس پر الٹا لٹکا دوں گی ۔تمہاری کھال، تمہارا خون قطرہ قطرہ آگ پر گرے گا۔کچھ سمجھ میں آئی بات.....؟؟''

''معاف کر دے دبیسا چڑیل.....معاف کر دو.....'' بچے نے اپنا کان آزاد کروانا چاہا۔

''بلند آواز سے کہو کہ دوبارہ پتھر نہیں پھینکو گے.....''

''میں دوبارہ کبھی کسی پر بھی پتھر نہیں پھینکوں گا.....دبیسا میرا کان گیا.....دبیسا میری جان گئی.....''

Sumaira Hameed:Author

''ذرا رکو،تم پر ایک نشان لگا دوں ۔پتھر مار مار کر تم نے اسے خون سے نہلا دیا ہے ۔اب تم بھی دیکھو کہ جب کھال سے خون نکلتا ہے تو کیسا لگتا ہے.....''خرطوم کی کلائی آنکھوں کے سامنے لا کر اس نے اس پر اپنے دانت گاڑ دیے۔

بچے کی چیخ سے پہاڑی گھاٹیاں گونج اٹھیں......

وہ حیرت سے اس دیکھنے لگی ۔''ابھی تو میں نے کاٹا ہی نہیں ۔تم چلائے کیوں؟؟''

اس نے زیادہ نہیں کاٹا تھا،''بس کاٹا تھا۔''اس بس کاٹا نے بچے کے جسم سے''جان کا کانٹا''نکال ہی دیا تھا۔وہ زمین پر پشت کے بل کھسکتے ہوئے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا۔پھر اس نے مٹھیوں میں خاک بھری اور دبیسا کی آنکھوں میں جھونک دی۔ جتنے پتھر ہاتھ آئے انہیں دبیسا پر اچھالنے لگا۔خاک نے دبیسا کی نظروں سے لمحے بھر کے لیے اسے اوجھل کر دیا تھا۔

وہ شہر کی طرف بھاگ رہا تھا۔دبیسا بھی اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔گھاٹیوں سے اس کا پرندہ نکل آیا تھا۔وہ دبیسا کے سر کے اوپر اُڑ رہا تھا۔دبیسا کی چادر بھی تو اُڑ رہی تھی......

ایک پرندہ آسمان کے نیچے اڑ رہا تھا......

ایک پرندہ زمین کے اُوپر اڑ رہا تھا......

بھاگتا ہوا خرطوم بازار سے گزرا...... ہفتے کا دن کام سے آرام کا دن تھا تو آج بہت رش تھا۔وہ بھیڑ کو ہاتھ سے دھکیلتا ہوا، چلاتا ہوا بھاگ رہا تھا۔

''ماں......ماں......دبیسا چڑیل میرے پیچھے لگ گئی ہے......کوئی مجھے بچائے......''وہ چلاتا جا رہا تھا۔اس نے بازار میں کتنے ہی لوگوں کی چیزیں گرا دی تھیں۔

دبیسا چڑیل نے شہر کو سر پر اٹھا لیا تھا۔وہ لوگوں کو دھکے دیتی ہوئی خرطوم کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔وہ اس کا خون پی لینا چاہتی تھی۔

''ماں......کوئی مجھے بچائے......دبیسا......دبیسا......وہ آئی......''

وہ چلاتا جا رہا تھا۔رو رہا تھا۔اپنے گھر کی طرف بھاگ رہا تھا۔دبیسا کا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچتے پہنچتے رہ جاتا تھا۔ہوا سے اڑتی اس کی چادر،اس کے سر پر اڑتا ہوا پرندہ،اس کی آنکھوں کی تندی......شہر والوں نے اس دن دبیسا کو نئے ہی روپ میں دیکھا تھا۔وہ خرطوم کو کھا جانا چاہتی تھی۔تربوز والے چچا نے دبیسا کو روکنا چاہا،وہ کچھ دور تک دونوں کے پیچھے بھاگے بھی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

''ماں......ماں......''

خرطوم کی چیخیں،شہر کا سکون تباہ کر رہی تھیں۔کتنی ہی عورتیں گھروں سے باہر نکل کر دیکھ رہی تھیں کہ کس ماں کو ایسے قیامت خیز انداز میں بلایا جا رہا ہے۔بچوں نے اپنا کھیل کھیلنا بند کر دیا تھا۔وہ سب کے کھیل تباہ کرتا،اپنے گھر کی سمت بھاگ رہا تھا۔

نہ بچہ رک رہا تھا،نہ دبیسا......

''یہ مجھے مار ڈالے گی......ماں......''بچہ گھر کا دروازہ دھاڑ بند کر چکا تھا۔ماں کے ہاتھ سے کوئی برتن گر کر ٹوٹا تھا۔

دبیسا نے بند دروازے کو دھکا لگایا تو وہ کھلا نہیں۔اس نے پوری قوت لگا کر ایک اور دھکا لگایا، دروازہ دھاڑ کھلا۔دونوں پٹ وا ہو گئے۔وہ گرتے گرتے بچی۔خرطوم جلدی سے ماں کے پیچھے چھپ گیا۔وہ اس کی طرف لپکی.....

''یہ کیا طریقہ ہے دبیسا! خرطوم کا دم نکلا جا رہا ہے.....کیوں بچے کی جان کی دشمن بنی ہوئی ہو۔''

دبیسا کا اپنا سانس نکلا جا رہا تھا۔پیٹ پھٹ پڑنے کو تھا لیکن اس نے سانس کو ایسے قابو میں رکھا کہ حالت ظاہر نہ ہو۔دو بدو جنگ کرنی ہو تو اپنی کمزوری نہیں برداشت ظاہر کرتے ہیں۔دبیسا کا لگایا نیا تماشہ دیکھنے کے لیے آس پاس کی مائیں بھی گھر کے اندر آ چکی تھیں۔

''یہ اس کوڑھی کو پتھر مار رہا تھا.....''اس نے لپک کر خرطوم کو اپنی گرفت میں لینا چاہا۔ماں نے اس کے ہاتھ کو بری طرح سے جھٹک کر پرے کیا۔

''وہ کوڑھی تمہاری ماں لگتی ہے؟ اچھا کیا پتھر مارے تو۔کیوں آتی ہے وہ شہر کی طرف۔ہم سب کو بھی کوڑھی کرے گی۔''

''وہ کوڑھی میری ماں ہوتی تو یہ اپنے پیروں پر بھاگ کر اپنی ماں کے پیچھے آ کر چھپ نہ جانتا.....''

''اچھا! ایسی ہی شہہ زور ہو تم؟ سنا آپ نے یہ کیسے بات کرتی ہے؟؟''وہ گھر میں جھانکنے والوں مردوں اور گھر میں کھڑی عورتوں سے کہہ رہی تھی۔

''ساری دنیا کو اکٹھا کر لیں، انہیں سنائیں، بتائیں کہ میں کیا کرتی ہوں لیکن میں ڈرتی نہیں ہوں۔اس نے کوڑھی کو پتھر مارے۔اس کی کھال پھٹ گئی۔خون بہنے لگا۔وہ پہلے ہی اتنی تکلیف میں ہے۔اس نے انہیں اور تکلیف کیوں دی۔میں اس کی کھال سے بھی ویسے ہی خون نکالوں گی.....''

''اپنی کھال کا خون بچا کر رکھو دبیسا! مجھے بھی کم نہ سمجھنا۔ایسی ہی ہمدردی ہے ان کوڑھیوں سے تو ان کے پاس جا کر کیوں نہیں رہتی۔ساری دنیا میں بھاگتی دوڑتی پھرتی ہو۔کیا تمہیں تمہارے باپ نے قسم نہیں دے رکھی کہ تم گھاٹیوں تک نہیں جاؤ گی۔ایسی ہی نڈر ہو تو توڑ دو یہ قسم.....ایسی ہی بہادر ہو تو روز جایا کرو وہاں.....''

''وہ تو کوڑھی ہیں، آپ کو کون سا مرض لاحق ہے؟ جو زبان بھی بدبو دے رہی ہے اور اخلاق بھی۔یہ تو کوڑھ سے بھی زیادہ غلیظ ہے۔''

''تمہاری غلاظت کو سارا شہر جھیل رہا ہے دبیسا! تمہارا باپ دولت مند ہے تو کیا سارے شہر کو غلام بنا لے گا؟ دوبارہ میرے بچے کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ کاٹ دوں گی۔''

''اپنی زبان کیوں نہیں کاٹ لیتیں.....اپنے بچے کا ہاتھ کاٹیں.....''

''دبیسا چڑیل تو کوڑھی ہو گی تو میں تجھ پر بھی ایسے ہی پتھر برساؤں گا۔میں مار مار کر تجھے لہولہان کر دوں گا۔تو نے میری بازو کاٹ کھائی ہے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا.....''خرطوم میں ہمت آ گئی تھی۔

دبیسا طنز سے ہنسی،''مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ شہر میں انسانوں کے ساتھ ساتھ بھیڑے بھی رہتے ہیں۔خدا کی اس زمین پر،

Sumaira Hameed:Author

انسانوں کی کھال میں، شیطان بھی رہتے ہیں۔''

''تو خود کسی شیطان سے کم ہے۔ سارا شہر تیرے شر سے پناہ مانگتا ہے.....''

''میں آپ کی ''خیر'' سے پناہ مانگتی ہوں.....'' وہ استہزائیہ ہنس دی۔ ''اس لاڈلے کو اپنی ممتا کی پناہ میں رکھنا خالہ! یہ اس گھر سے باہر جہاں مجھے نظر آ گیا، وہیں اس کی قبر بنے گی۔''

بچہ خوف سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا ایسا ہی ہوگا۔ ''دبیسا تو کوڑھی ہو کر مرے.....''

دبیسا دہلیز سے باہر اپنا پاؤں نکال چکی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ''مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا خرطوم!''

''تجھے کوڑھ سے لگے گا، جب تیری کھال بو بد دینے لگے گی۔ تیرا حسن نحوست زدہ ہو جائے گا۔ اس شہر کی حسین لڑکی جب اس شہر کی سب سے کریہہ صورت لڑکی ہو جائے گی۔ جب تیرا ٹھکانہ یہ شہر نہیں، کوڑھیوں کا شہر ہوگا۔ تب تو ڈرے گی۔'' ماں نے نفرت سے کہا۔

اس نے چوکھٹ کو ہاتھ سے دبوچ لیا۔ شہر کی سب سے حسین لڑکی، شہر کی سب سے شریر لڑکی..... دبیسا..... نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خاموش ہو کر جا رہی تھی۔

☆ ..... ☆ ..... ☆

شہر کی سب سے حسین لڑکی، شہر کی سب سے شریر لڑکی..... ان کی دبیسا.....

اسے شہر کی عورتیں زیادہ پسند نہیں کرتی تھیں لیکن شہر کے بڑے بوڑھے، اور دانا اسے پسند کرتے تھے۔ جو دوسروں سے مختلف ہوتا ہے، وہ اگر باغی نہیں تو خلیفہ ہوتا ہے۔ والد کے سفر کے سب قصے اسے یاد تھے۔ شہر کے سب داناؤں کا وہ سر کھا چکی تھی۔ شہر میں اتنے گھر نہیں تھے جتنے اس کے کارنامے تھے۔ شہر میں شاید ہی کوئی ایسا بچہ یا بچی ہو جو اس کے ساتھ کھیلا ہو اور اس کے ہاتھوں لہولہان نہ ہوا ہو۔ والد نے کبھی اناج، کبھی سکے، کبھی ریشم، کبھی بھیڑیں، کبھی دنبے، کبھی ظروف دے کر ان لڑائی جھگڑوں کو نپٹایا تھا۔ ماؤں کو وہ ناپسند تھی، ان ماؤں کی بیٹیوں کی اس میں جان تھی۔ مائیں انہیں دبیسا سے دوستی پر کوستیں تو وہ کہہ دیتیں.....

''اس کا دل بہت صاف ہے..... وہ بہت اچھی ہے.....''

''اس کے دانت اور زبان بھی بہت صاف ہے۔ کتنے نشان ہیں تمہاری کلائی پر اس کے دانتوں کے؟''

''ماں..... یہ تو اس کی محبت ہے.....''

''محبت..... ایسے کاٹ کر؟؟''

''آپ کیا جانیں والدہ! اس کی طرف کیسا دل کھینچتا ہے۔ وہ جتنی بری لگتی ہے، اس سے کہیں اچھی ہے۔''

ماں نے کوئلے کریدنے کا گرم چمٹا خولہ کی کمر میں داغا، ''یہ میری محبت کا نشان ہے، دیکھنا دل کھینچا میری طرف؟''

اس کی جان کھینچ کر حلق میں آ گئی تھی..... وہ اپنی کمر مسل رہی تھی۔

اسے آنکھیں مسلنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی تھی اور وہ بستر پر گرتے ہی سو جایا کرتی تھی۔ اسے کوئی فکر ہلکان نہیں رکھتی تھی۔ ماں کی

Sumaira Hameed:Author

خفگی پر وہ ایک صراحی کمر پر رکھ کر، ایک شانے پر سنبھال کر پانی بھرنے چلی جاتی تھی۔لیکن راستے میں ہی کوئی ایک صراحی توڑ لاتی تھی۔ جب صراحی گرتی اور پانی ایک دم چھپک سے زمین میں جذب ہونے لگتا تو وہ ہنسنے لگتی۔

اس کی سہیلیاں اس کی مدد کر دیا کرتی تھیں۔وہ ہاتھ جھلاتی ہوئی آ رہی ہوتی تھی اور پانی انہوں نے اٹھا رکھا ہوتا تھا۔وہ ماں کے کہنے سے کپڑے دھونے بھی چلی جایا کرتی تھی۔لیکن شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ کپڑا پورا دھل بھی گیا ہو اور پھٹا بھی نہ ہو۔وہ پتھر پر کپڑے کو ایسے دے دے کر مارتی، کہ گھر واپسی پر ماں سے بچنا مشکل ہو جاتا تھا۔ماں کپڑے اٹھاتی جاتی، ہائے ہائے کرتی جاتی۔

اس کی دو چھوٹی بہنیں اور چار بھائی تھے۔سب سے چھوٹا ماں کی گود میں تھا۔ایک نے کچھ وقت پہلے چلنا شروع کیا تھا۔سب بہن بھائی بس کھیلتے کودتے پھرتے تھے۔ماں اکیلی ہی گھر کے سب کام کرتی تھی۔گھر کے کاموں کے لیے دو مددگار تو تھے لیکن گھر اتنا بڑا، اور کام اتنے زیادہ تھے کہ کام ختم ہونے میں نہیں آتے تھے۔پھر اس کی عمر کی سب لڑکیاں گھروں میں کام کرتی تھیں۔

ایک بار اس نے ماں کی ڈانٹ سے بےزار ہو کر تنور میں روٹیاں لگانے کی کوشش کی تھی۔تنور گرم تھا.....تنور گرم ہی ہوتا ہے۔اسے تھوڑا ٹھنڈا کرنے کے لیے اس نے پانی انڈیل دیا تھا۔ماں چیختی ہوئی اس کی طرف لپکی، تو وہ ڈر گئی۔

''وہ تنور گرم تھا بہت.....اس لیے.....'' وہ واقعی میں ڈر گئی تھی۔

''تو اب تم پانی پر روٹیاں لگاؤں گی؟ تمہیں جادو بھی آتا ہے۔بد بخت.....تو میرے ہی گھر کیوں پیدا ہوئی دبیسا۔''

اس نے رونی صورت بنا کر ماں کو دیکھا۔موٹے موٹے آنسوؤں سے اس کی آنکھیں لبریز ہو گئیں۔ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے رو کر دکھایا ہو۔وہ روتی نہیں تھی۔ماں کے دل کو بڑا دھکا لگا، لپک کر اسے گلے سے لگا لینا چاہا لیکن وہ گھر سے باہر بھاگ گئی۔

''مجھے بد بخت کیوں کہا.....'' اسے ایک اس لفظ نے تکلیف دی تھی۔جاتے ہوئے وہ کہہ گئی تھی۔

اس رات کسی نے ماں کے ہاتھ سے بنی گرم روٹیوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔آگ پر بھنا نمکین گوشت، دبنے کے گوشت کا شوربہ.....کسی نے اس طرف منہ تک نہ کیا۔سب منہ موڑ موڑ کر بستر میں جاتے رہے۔رات کے چراغ بجھ گئے لیکن کسی نے چپکے سے بھی اٹھ کر نوالے نہیں توڑے۔

''دبیسا کو بد بخت کیوں کہا.....''

بچوں نے کہا۔والد نے کہا۔گھوڑوں کے رکھوالے نے کہا۔گھوڑوں نے کہا، مددگاروں نے کہا۔چاند نے کہا، رات نے کہا۔صبح کے پرندوں نے کہا۔ہوا نے کہا.....سارے جہاں نے کہا.....

''کیا میں ایسی ہی ظالم ہوں.....'' ماں تھک گئی۔عاجز آ گئی۔رو دینے کو ہو گئی۔

''ظلم تو اس بچی پر ہوتے ہیں اس گھر میں۔'' والد نے منہ پھلا کر کہا۔

''میں دبیسا کو چچا کے گھر سے لے آؤں؟'' چھ سالہ بھائی نے کہا۔

''نہیں! رہنے دو اسے وہیں۔ویسے بھی یہاں اس کا کون ہے۔کام کروا کروا کر بچی کو ہلکان کر دیا۔پانی بھر کر وہ لائے۔کپڑے وہ

Sumaira Hameed:Author

دھوئے۔کھانا وہ پکائے۔''(صراحیاں وہ توڑے،لوگوں کو وہ کاٹے۔کپڑے وہ پھاڑے)

ماں نے حیرت سے دبیسا کے سگے باپ اور اپنے سگے شوہر کو دیکھا۔ایک ایک کر کے، اپنے سب سگے بچوں کو بھی۔اتنے سگوں میں ایک وہ سوتیلی تھیں۔

''کوئی مجھ بے چاری کی بھی تو فریاد سنے.....''ماں نے چادر کو سر پر درست کیا اور دبیسا کو لینے کے لیے چچا کے گھر کی طرف چل پڑیں۔

''میری بہت یاد آ رہی ہو گی والدہ.....؟؟''دبیسا نے ماں کے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔

''ہاں میری بچی! سب نے مجھے تمہاری بہت یاد دلوائی.....''انہوں نے آہ بھر کر کہا۔

چچا چچی نے آگے بڑھ کر دبیسا کا ہاتھ پکڑ لیا۔''ابھی اسے یہیں رہنے دو۔بچے بہت خوش ہیں اس سے۔''

''پر میرے بچے خوش ہیں نہ شوہر۔اگر یہ یہاں رہی تو میں اپنے گھر میں کیسے رہوں گی؟؟اصطبل کے گھوڑے تک مجھے آنکھیں دکھا رہے ہیں۔''ماں بہت بے چاری بن گئی۔

دبیسا شوخی سے آنکھیں گھمانے لگی۔''ماں میں نے تنور گرم کرنا سیکھ لیا ہے.....اب میں روٹی پکانا سیکھ لوں گی۔''

''نہیں میری بچی! تندور کا ذکر رہنے دو اب.....بھول جاؤ کہ ہمارے گھر میں کوئی تندور ہوتا ہے۔''

وہ بھول گئی کہ کوئی تندور ہوتا ہے۔خولہ کی ماں نے یاد دلایا کہ شہر کی دوسری لڑکیاں اپنے باپ، بھائیوں کے لیے چغہ (عبا) بناتی ہیں۔اور تم.....ہونہہ.....وہ طنز سے ہنس رہی تھیں.....تو اس نے ایک بار یہ زحمت بھی کر لی جب چغہ تیار ہو گیا تو اسے اتنا پسند آیا کہ اس نے وہ خود ہی پہن لیا۔والد کا ہنس ہنس کے برا حال ہو چکا تھا۔

''لوگ ٹھیک کہتے ہیں دبیسا! تمہیں کوئی اور مخلوق بن کر پیدا ہونا تھا،لیکن.....لیکن.....دیکھو ایسے باہر نہ جانا،تمہیں نظر لگ جائے گی.....''

اسے والد کی ہنسی پر بہت پیار آیا۔''آپ جیسے والد دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہیں۔''اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کا آنکھوں سے لگا لیا۔

''تم جیسی بیٹی بھی تو نہیں.....''

''اور مجھ جیسی بدقسمت عورت بھی.....''ماں نے پھر آہ بھری۔''دونوں باپ بیٹی نے ایک دوسرے کو بگاڑ دیا۔میرا گھر بھی تباہ کر دیا۔ایک کی حرکتوں کے جرمانے بھرتے بھرتے،دوسرے نے گھر خالی کر دیا.....''ماں کو سب بھیڑیں، دنبے، گھوڑے، اناج، یاد تھے۔

ماں کو دبیسا کی سب حرکتیں بھی یاد تھی.....یہی دبیسا ہنستی مسکراتی ہوئی والد کے لیے بنایا چغہ پہن کر، خولہ، دورین سے ملنے کے لیے چلی گی۔ان کی ماؤں نے منہ کھول کر، آنکھوں سے گھور کر اس کی تواضع کی۔

''یہ تم نے کیسا رومیوں جیسا لباس پہن رکھا ہے؟عقل نہیں ہے کہ لڑکیاں کیسا لباس پہنتی ہیں۔''خولہ کی ماں نے کہا

''میں اس لباس میں بے انتہاء حسین و جمیل لگ رہی ہوں خالہ! آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ یہ خیال آپ کو کیوں نہیں آیا کہ آپ

Sumaira Hameed:Author

اپنے بھائی، والد یا شوہر کا چغہ پہن سکتیں۔''

''توبہ توبہ..... میں کیوں پہنوں گی مردوں کا لباس.....''

''اگر آپ میری نظر نہیں اتار سکتیں تو مجھے کاٹ کھانے والی نظر سے بھی نہ دیکھیں.....''

''میں تو تمہاری جرات پر حیران ہوں.....'' دورین کی ماں بولیں۔

''میں اپنی جرات پر خوش ہوں۔ رومی عورتیں پہناوے میں نت نئی جدتیں دینے میں مشہور ہیں۔ انہوں نے میری یہ جدت دیکھ لی تو وہ مجھ پر فدا ہو جائیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ غش کھا کر گر پڑیں گی۔''

''پتا نہیں تم ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کہاں سے سیکھتی ہو۔ تمہارے باپ نے تمہیں کون سی دوا کھلا دی ہے کہ تم انسان بننے پر تیار ہی نہیں ہو.....''

''اب خالہ حوروں کو کبھی ''انسان'' بنتے دیکھا ہے.....'' اس نے ایک ہاتھ کھڑا کر کے شان سے کہا۔ ٹھوڑی اٹھالی۔ اس کا حسن روشنی کی صورت اس کے چہرے سے پھوٹنے لگا۔ خالہ مبہوت تو ہوئیں۔ خولہ، دورین کا قہقہہ چھوٹا۔ وہ اس کی ادا پر فدا ہو گئیں۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو دبیسا! تم تو اونٹ کی کھال بھی اوڑھ لو تو کمال کر دو، یہ تو پھر چچا کا چغہ ہے۔''

''لیکن جی چاہتا ہے کسی انسان کی کھال اوڑھ لوں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ مدد کرو گی؟''

خولہ کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔ خولہ کی ماں، دورین کی ماں کے ساتھ مل کر دبیسا کی برائیاں کر رہی تھیں۔

''خالہ! ابھی تو شام ہونے میں وقت رہتا ہے، اتنی جلدی تندور گرم کر رہی ہیں آپ.....؟؟''

خالہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگیں۔ البتہ وہ تینوں دبی دبی ہنسی ہنس گئیں۔

''تمہاری ماں کی آنکھیں شعلے اگل رہی ہیں۔'' اس نے خولہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''تمہاری زبان بھی تو آگ چنار بنی ہوئی ہے.....''

''کیا میں سچ بھی نہ بولوں؟''

''کیا وہ اس سچ پر تیخ پا بھی نہ ہوں؟''

تینوں کا قہقہہ اتنا بلند تھا کہ خولہ کی ماں نے چمٹے کو گرم کیے بغیر ہی خولہ کی کمر پر داغ دیا۔ ان کے قہقہے شہر کی رونق میں مدغم ہو رہے تھے۔ وہ نیلے آسمان اور خاکی زمین پر، انسان کے باہمی دوست ہونے، ان کی معصومیت، زندگی کی خوشی اور زندہ دلی کی گواہی دے رہے تھے۔ زندگی کا ذائقہ چکھنے والا ہر انسان خوش نصیب ہے..... وہ بھی خوش نصیب ہیں.....

☆ ..... ☆ ..... ☆

ریشم کا لباس تیار ہو چکا تھا۔ پیشانی پر سکوں جیسے چمکتے ستاروں کو پرو کر باندھا ہوا تھا۔ وہ ویسے ہی ایسی حسین تھی، اتنا اہتمام کیا تو ہر آنکھ کو دم بخود کر دیا۔

Sumaira Hameed:Author

''تمہارے والد نے کیا ہیرا چنا ہے تمہارے لیے دورین! دیکھو تو ذرا..... میری بات مانو، ایسے ہیرے کو پھر سے راکھ میں دبا دو۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا دنبہ کھا گیا۔ اور کیسی شرافت سے پیٹ کے ڈھیر پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ بے چارا دنبہ..... کس کنوئیں میں جا گرا.....'' جعفری سے لگ کر کھڑیں وہ باہر بیٹھے دلہا کو دیکھ رہی تھیں۔ سب سے آگے دبیسا کھڑی تھی۔ پیچھے دبیسا کی بگاڑی پوری فوج۔

''والدہ نے کہا تھا تمہیں شادی میں آنے سے باز رکھوں۔ اس لیے خاموش رہو۔ ویسے بھی سب میری بجائے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ دلہن سے زیادہ تم خوب صورت لگ رہی ہو۔ کیوں اتنا سج سنور کر آئی ہو..... کچھ شرم ہی کر لیتیں۔''

''شرم میں نے بہت کی، لیکن لحاظ نہیں کیا..... تمہارا.....'' وہ ہنس دی۔

''جا کر شرافت سے دلہا کو سلام کرو۔ اسے سلامی دو، اور دیکھو، کوئی شرارت نہ کرنا۔ ورنہ والدہ بہت خفا ہوں گی۔''

''تمہارا مطلب ہے میں اس دبنے سے جا کر ملوں؟ میں، دبیسا اسے سلام کروں؟ اسے سلامی دوں..... آں..... خیال تو اچھا ہے..... آخا..... آج میں کچھ زیادہ ہی خوش ہوں.....''

''جاؤ نا دبیسا! خولہ کو بھی لے جاؤ.....''

اس نے گردن موڑ کر سب لڑکیوں کو دیکھا پھر آنکھ سے اشارہ کیا۔ سب دلہا کی سمت کھسکنے لگیں..... گھر کے کھلے احاطے میں، قندیلوں کی روشنی تھی، کچھ جھلمل سجاوٹ، کہیں رنگین میز پوش..... دہکتے الاؤ..... ان پر پکتیں رانیں..... نمکین گوشت.....

دبیسا نے سر کے اشارے سے سلام کیا اور سامنے نشست پر بیٹھ گئی۔ دبنے کی ہڈی بوٹی ایک کرتے، دلہا نے چونک کر دبیسا کو دیکھا۔

''تو وہ تم ہو.....؟؟''

''ہاں وہ تو میں ہوں..... پر تم کون ہو.....؟؟''

وہ گڑبڑا گیا ہے..... ''ہاں تو یہ تم ہی ہو۔ اس شہر کی سب سے خرانٹ لڑکی..... والدہ مجھے بتا چکی ہیں.....''

''آپ نے غلط سنا چچا دلہا۔ میں اس شہر کی سب سے نیک شریف لڑکی ہوں۔ مجھے تو ٹھیک سے بولنا بھی نہیں آتا۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا میں نے چلنا اور ہاتھ سے کھانا کھانا سیکھا ہے۔ دانت بہت کمزور ہوتے ہیں میرے۔ اس سے کچھ پہلے میں بس آں..... اوں کرتی تھی..... چھوڑیں..... آپ کے لیے یہ شربت لائی ہوں۔ رواج کے مطابق آپ کو یہ شربت پینا ہے۔''

سلامی کے سکے ایک ایک کر کے انہوں نے مخملی لحاف کے اوپر رکھ دیے تھے۔ سب لڑکیاں اس کے سر پر دائرہ بنا کر کھڑی تھیں۔ وہ اکیلی معاملات دیکھ رہی تھی۔ عورتوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ماں نے اپنی ستارہ بیٹی دبیسا کو دیکھا۔ زیر لب کلام پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔

چچا دلہا نے سلامی کے سکے سمیٹ لیے..... اب تو شربت پینا ہی تھا.....

''یہ..... آ..... آخ..... تھو..... میرا حلق..... یہ کیا ہو رہا ہے.....'' میٹھا شربت پورا پی لیا۔ پیالہ خالی کر دیا۔

''کچھ زدہ نہیں چچا دلہا! آپ دیکھنے میں پورا دنبہ اور آدھا ساچوہا لگتے ہیں تو سوچا کہ آواز بھی ویسی ہی ہونی چاہیے۔ ہمارے

Sumaira Hameed:Author

شہر کا مطب بہت مشہور ہے۔ایک بےضرر سی دوا ڈالی ہے شربت میں۔ کچھ زیادہ نہیں ہوگا۔دو تین خون کی الٹیاں..... ایک آدھ سال جگر میں سوزش..... یہی کوئی تین چار سال گلے میں خارش۔اور بس کل ملا کر بیس بائیس سال خچر جیسی آواز..... بس..... زیادہ پریشان مت ہوں۔آنکھیں تو اندر کریں چچا دلہا! آخ! ایسا بھی کیا ہو گیا گلے کو..... کہیں پیڑ پودے تو نہیں اگنے لگے؟؟ جھاڑ جھاڑیاں؟ خولہ کون سی دوا دے دی تم نے چچا کو؟؟؟''

چچا دلہا اپنا حلق پکڑ کر زمین پر بھیڑ، بکرے، دبنے، چوہے، سب کی طرح الٹے پلٹے ہو کر پتا نہیں کیا کچھ اگل رہا تھے۔اتنی بدبو آنے لگی تھی کہ مہمان ناگواری سے اسے دیکھنے لگے تھے۔اس کے کسی رشتے دار نے آ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔

''کہا تھا کم کھاؤ..... تمہاری ہی شادی کا کھانا ہے..... سب ناک ڈھانپ رہے ہیں۔''

لیکن ان سب نے منہ پر ہاتھ رکھے تھے، قہقہے دبانے کے لیے..... لیکن پھر وہ..... وہ سب..... ناکام ہو گئیں اور کھل کر ہنسنے لگیں..... وہ کچھ ایسی شدت، ایسی دلبری سے ہنسیں کہ شادی واقعی میں شادی ہو گئی..... ہر لڑکی دلہن..... ہر لڑکا دلہا..... جو جہاں، جس کام میں مصروف تھا وہ رک کر انہیں دیکھنے لگا..... ان سب میں..... سب میں..... دبیسا کو خاص طور پر..... وہ ہنستے ہنستے بے حال ہو رہی تھی..... اس کا حسن اس کے سر کا تاج ہو رہا تھا.....

اس زمین کا پھول.....

اس آسمان کا چراغ.....

اپنی سفید کلائی سے اس نے اپنی نم آنکھیں صاف کرنی چاہیں تو ایک دانا عورت جس کی پیشانی پر رومال بندھا ہوا تھا، نے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی۔اس کا قہقہہ تو تھم گیا لیکن ہنسی نہیں تھمی۔وہ دیکھ رہی تھی کہ شادی میں شریک ایک خاتون اس کے بازو سے ریشم کو پرے ہٹا رہی ہے..... شاید وہ اس کا لباس دیکھ رہی تھیں..... اس کے لباس کی جدت.....

لیکن وہ.....

ایک دم خاتون نے اس کا بازو جھٹک کر چھوڑ دیا اور کتنے ہی قدم دُور ہٹ کر کھڑی ہو گئی.....

''اسے کوڑھ ہو چکا ہے..... یہ کوڑھی ہو چکی ہے.....''

دبیسا نے اپنے بازو کو دیکھا..... اس پر پڑے دھبوں کو اور پھر خاتون کو.....

سفید ریشم سیاہ ہو چکا تھا.....

اور.....

پیشانی پر چمکتے ستارے بےنور..... (باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆ ..... ☆ ..... ☆

Sumaira Hameed:Author